نمودِ سحر
شمر مصباحی
مرکز تنظیم ادب مبارکپور اعظم گڑھ

انجمن تنظیم ادب

کا

سلسلۂ اشاعت نمبر (۲)

نمودِ سحر

شرر مصباحی (مولوی، عالم، الہ آباد)

جنرل سکریٹری انجمن تنظیم ادب

مبارکپور اعظم گڑھ

بار اوّل ایک ہزار ۱۰۰۰

فروری ۱۹۶۳ء

پرنٹر
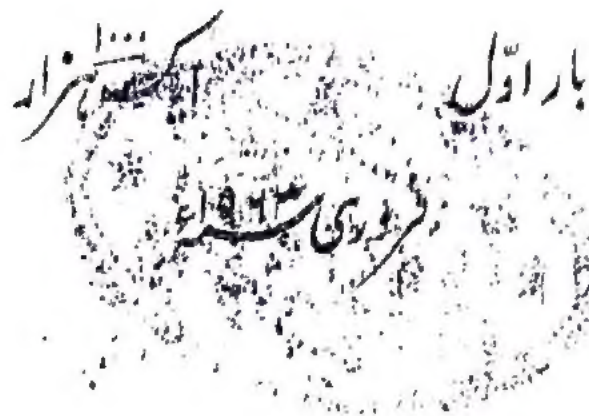
سرفراز قومی پریس لکھنؤ

پبلشر

انجمن تنظیمِ ادب (کٹرہ) مُبارک پور۔ اعظم گڑھ

قیمت غیر مجلّد ایک روپیہ پچیس نئے پیسے
قیمت مجلّد ایک روپیہ پچاس نئے پیسے

فہرست ترتیب

مجلس ادارت

(۱) شکیل انصاری
(۲) شرر مصباحی
(۳) اثر کٹروی
(۴) نذیر احمد قوال
(۵) ناظم ادریسی
(۶) عبدالعزیز انصاری
(۷) عبدالرشید سردار
(۸) حافظ محمد شفیع
(۹) مختار احمد
(۱۰) عبدالقادر
(۱۱) ڈاکٹر احسان احمد
(۱۲) فیض احمد
(۱۳) عبدالرشید
(۱۴) محمد بشیر
(۱۵) شبیر احمد
(۱۶) راز انصاری

حالاتِ مرتّب :-

نام - فضل الرحمن شرر مصباحی ابن عبدالسمیع مفتون شبلوی

سن ولادت - ۱۹۴۲ء

وطن - محلہ کٹرہ قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ (یو، پی)

تعلیم - مولوی، عالم، الہ آباد و فاضل درس نظامیہ دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور

تصنیف :-

(۱) مصباح الادب (زبان عربی غیر مطبوعہ) شرح ازہار العرب

(۲) ظہور قدسی (مطبوعہ)

(۳) برق و شرر (زیر ترتیب)

شرفِ انتساب

میں اس ناچیز ترتیب کو اپنے جدِ امجد شاعر شیریں خیال حضرت شیخ میاں صاحب عبداللہ شفاؔ رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے معنون کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں جن کے فیوض روحانی میرے لئے مشعل ہدایت ہیں ....

ہر گہہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

شرر مصباحی

احوالِ واقعی

کافی دنوں سے دوستوں کا اصرار تھا کہ مبارکپور کے شعرا کا انتخاب کلام شائع ہو! لیکن کوئی ایسا لسرکا نہ تھا کہ یہ اہم کام بحسن وخوبی انجام پاتا۔ اب جب کہ "انجمن تنظیم ادب" کا قیام عمل میں آیا تو بہت کچھ دشواری باقی نظر آئی اور اس انجمن کی برق رفتار ترقی نے مجبور کر دیا کہ ہم صرف انگلی میں لہو لگا کے شہیدوں میں داخل ہونے کے بجائے اس خاکہ کو بہتر سے بہتر بنانے کی سدّھیاں باندھیں —

مُبارک پُور زمانۂ دراز سے علوم وفنون کا مرکز رہا ہے۔ ہزاروں تشنگانِ علم یہاں کی مرکزی درسگاہوں سے اپنے ذوق ووجدان کی پیاس بُجھاتے رہے! لیکن یہاں کے شعراء باوجود اپنی، ذہنی طبّاعی، دُور اندیشی، اور شاعرانہ خوش سلیقگی کے شہرت یاب نہ ہوئے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں نے نہ کبھی، ستائش کی تمنّا کی نہ صلہ کی پروا، وہ شعر کہتے تھے لیکن صرف تسکین دل کے لئے، سویدائے قلب سے آواز نکلتی۔ سامعہ متاثر ہوتا اور بس۔

آج بھی موجودہ شعرا کے کلام کا جب ہم تجزیہ کرتے ہیں تو ان کے کلام میں وہ سب خوبیاں ملتی ہیں جو ایک بالغ نظر ادیب اور ایک خوش فکر وخوش گو شاعر کیلئے ناگزیر ہیں۔

آج ہمیں بڑی مسرّت ہے کہ ہم اپنے محبوب شاعروں کا انتخابِ کلام پیش کرنے کا شرف حاصل کر سکے ——— قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

۲۴ر جنوری ۶۳ء

نشر مصباحی

پیش لفظ

(حضرت نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی سابق وزیر تعلیم کشمیر)

میں جناب "بشر مصباحی" سکریٹری انجمن تنظیم ادب مبارکپور اعظم گڑھ کو
تہ دل سے مُبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے مبارکپور کے شاعران ماضی و
حال کا قابل قدر انتخاب "نمود سحر" کے نام سے کیا ہے۔
میں نے اس کا مسودہ جستہ جستہ دیکھا اور حیرت کے ساتھ مسرت ہوئی
کہ مُبارکپور نے کیسے کیسے خوش فکر و خوش گو شعرا پیدا کئے ہیں جو قعرِ گمنامی
میں پڑے تھے مگر جنھیں آفتاب عالمتاب کی طرح نمایاں اور مشہور ہونا چاہئے تھا
چند اشعار بطور مثال: مشت نمونہ از خروارے" ذیل میں درج ہیں :-

کفر کے جلوۂ صد رنگ کا احوال نہ پوچھ
نقشِ حیرت بنے بیٹھے ہیں مسلماں کتنے
(شفا)

بے سبب ہرگز نہیں گردش نگاہِ مست کی
یہ اشارہ ہے کہ ہر مطلب ادا پردے میں ہو
(زماں)

دیر و حرم تو بارہا جا جا کے آزما لئے
سجدے بہت ہیں مضطرب جھکتی مگر جبیں نہیں
(خاکی)

مجھ کو دعویٰ کہ سویدائے دلِ ناظر ہے
آپ کہتے ہیں کہ رخسار پہ ہے تل میرا (ناظر)

شکر ہے انجام سوزِ عشق کا اچھا ہوا
میرے دل کی خاک چٹکی ہوگئی اکسیر کی (مفتوں)

نکلے گا پیچ و خم تو کیا گیسوئے روزگار سے
حلقے کچھ اور بڑھ گئے شانۂ زرنگار سے (ظفر)

کب متاعِ چمن لٹی مت پوچھ
ہائے دورِ خزاں کی بات نہیں (ظفر)

درد بخشا ہے تو اے بے خبرِ لذتِ درد
درد کو بے خبرِ لذتِ درماں کردے (طرب)

تیری نوازشوں نے تو رسوا ہی کردیا
کرنا تھا کچھ ستم بھی نگاہِ کرم کے ساتھ (شرر)

جعفر علی خاں (اثر لکھنوی)
یکم فروری ۱۹۶۳ء

Scan

"انجمن تنظیمِ ادب کا مختصر تعارف"

(از قلم صدر انجمن جناب عبدالوہاب صاحب شکیلؔ انصاری رئیس کٹرہ)

یہ انجمن محلہ کٹرہ (مُبارکپور اعظم گڑھ) میں بر مکان جناب حشمت اللہ و شریف احمد صاحبان واقع ہے جس کا قیام ۱۲ر مارچ ۱۹۶۲ء کو عمل میں آیا۔ اس انجمن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اُردو زبان کی ترویج و اشاعت کی جائے، چنانچہ محلے کے نوجوانوں نے متفق الرائے ہو کر کمر ہمت باندھی اور میدانِ عمل میں آئے، مآل کار ایک لائبریری کی داغ بیل پڑی اور ایک شبینہ مدرسہ (Night School) قائم ہوا جو آج دس ماہ کے اندر قابل تقلید ترقی کر چکے ہیں۔ لائبریری میں مذہبی، ادبی، معاشرتی، تاریخی، جاسوسی، رومانی، ہر قسم کی کتابیں معتدبہ تعداد میں موجود ہیں اور نائٹ اسکول میں عربی، فارسی، اُردو، ہندی، جغرافیہ، حساب وغیرہ زبانوں اور فنون کی تعلیم ہو رہی ہے! اِن دونوں شعبوں کا تعلق مجلس شاملہ و مجلس عاملہ سے ہے جن کے ممبران نصف صد سے زائد ہیں۔

جب ممبران کا علمی ذوق بڑھتا گیا تو ان کی دلچسپی کے لئے پندرہ روزہ مشاعرہ، بیت بازی، اور آئے دن دوسرے پروگرام عمل میں آتے رہے، جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت اس انجمن کی پیداوار شاعروں کی خاصی تعداد ہے جو

کم از کم ردیف قافیہ سیدھا کر لیتے ہیں اور ان کی یہ سعی بلیغ یقیناً ان کے حق میں مفید ثابت ہوگی ! اس طرح یہ انجمن اپنے مقصد میں بہت کچھ کامیاب ہوئی۔ اس سلسلے میں ہم تمام اہل محلہ کی ہمت افزائی کا پورا پورا احترام کرتے ہیں جنھوں نے مالی مشکلات کے وقت ہماری دل کھول کر مدد کی بالخصوص عالی جناب محمد یوسف عرف تفضل حسین صاحب سردار اعلیٰ محلہ کٹرہ و جناب عبدالحمید صاحب و منگرو صاحب و محمد سعید ممبر صاحب کے ہم ممنون احسان ہیں جن کی بے پناہ ہمدردی سے اس انجمن کا مستقبل روشن ہے اور جناب حشمت اللہ و شریف احمد صاحبان کے بار احسان سے بھی ہم سبکدوش نہیں ہیں جنھوں نے اپنا عالیشان مکان انجمن کے لئے تا وقت ضرورت عنایت فرمایا ہے ۔

اللہ تعالیٰ تمام اراکین انجمن اور متعلقین کو توفیق خیر دے اور ان کے عزائم میں برکت عطا کرے ۔

شکیل انصاری

مبارکپور کی چند عظیم ہستیاں

ما غریباں را بزیرِ خاک ہم نگزاشتند
صبح محشر میکند فریاد کز منزل برآ

نشر مصباحی

شفا علیہ الرحمۃ

نام شیخ عبداللہ تخلص شفا

سال ولادت ۱۲۶۶ھ مولد محلہ کٹرہ

تعارف میرے جدامجد حضرت شیخ عبداللہ شفا اعظم گڑھ کے مشرقی قصبہ مبارک پور میں بمقام محلہ کٹرہ پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے آپ کو تحصیل علم کا کافی شوق تھا چنانچہ ابتدائے عمر میں قرآن شریف، اردو، اور مختصر فارسی گھر پر اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد ہاشم علیہ الرحمۃ سے پڑھی لیکن ہنوز آپ کا ذوق علم تشنہ رہا اور پورہ دُلھن (قصبہ مبارکپور) میں جاکر حکیم عبداللہ سے تکمیل فارسی کی اور معتدبہ حصہ عربی کا پڑھا، آپ کا مزاج فارسیت سے اتنا ہم آہنگ تھا کہ مادری زبان میں گفتگو کرتے وقت اضطراراً فارسی جملے زبان پر آجاتے، قصائد عرفی وظہوری اور دیوان حافظ تو گویا نوک زبان تھے۔

بیشتر ایسا کرتے کہ جو کتاب زیر مطالعہ ہوتی اس پر ریسرچ کرتے اور بیاض پر نقل فرماتے مگر افسوس کہ میری لاشعوری اور والد ماجد[1] کے قیام کانپور کی وجہ سے آپ کی تصنیفات اور ذخیرۂ کتب نذر خدمت گزاراں"

---

[1] عبدالسمیع مفتوں شبلوی ۱۲ محرر

ہو گئے اور اس طرح سے آپ کی آنے والی نسل کا آپ کے مسودات سے کما حقہٗ فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ دُھندلکے میں پڑ گیا، تاہم کچھ ایسے نقوش ملتے ہیں جن سے آپ کی وُسعت علمی اور آپ کے فضائل و کمال پر چھاپ پڑتی ہے۔ جن کی روشنی میں اور بعض آپ کے صحبت یافتہ مشائخ کی مدد سے مختصر حالات قلمبند کر رہا ہوں!

عام حالات آپ نہایت خلیق الطبع اور منکسر المزاج تھے، نہ آپ "نوش زتحسین" میں پھولتے نہ "نیش زطعن" سے ہراساں ہوتے لیکن آپ اس کنج خمول کے رہنے والے نہ تھے جس میں چند کتابوں اور قلم دوات کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ کے اندر سادگی اتنی تھی کہ ہر کس و ناکس بے تکلفی سے مل سکتا تھا لیکن دبدبہ و جلال بھی اس قدر تھا کہ دل کی خطائے اشتیاق کے ساتھ لب گنہگار التجا مشکل ہی سے ہو سکتا تھا۔

عام طور پر لمبا کرتا، لنگی، ترکی ٹوپی جس پر پتّیوں کی کناری ہوتی استعمال کرتے اور سارا لباس گیروا رنگ کا ہوتا جو صوفیوں کے یہاں زیادہ استعمال ہوتا ہے! حقّہ بہت پیتے تھے، تمباکو نہایت پُر تکلف ہوتا عطر و زعفران وغیرہ تمباکو میں تحلیل کرتے، اکثر گھر پر رہا کرتے، حاجتمندوں کی دن رات ریل پیل رہتی اور خالی اوقات اوراد و وظائف کیا کرتے یا پھر مطالعہ کتب میں مشغول رہتے اکثر فارسی کتابیں زیر مطالعہ رہتیں! اور سلسلہ شعر و شاعری از ابتدا تا دم آخر جاری رہا۔

تدریس تعلیم پایۂ تکمیل کو پہنچانے کے بعد وہ وقت آیا جب کہ آپ

مسند تدریس پر فائز ہوئے پہلے مبارک پور کے ایک عالی شان مدرسہ میں فارسی کی تعلیم دی جو مسلمانوں کی افراتفری کی وجہ سے مسجد ہو گیا بعدازاں عظمت گڑھ مدعو ہوئے وہاں چند سال تعلیم دینے کے بعد مبارک پور آئے اور راجہ مبارک شاہ کی مسجد کے پاس بعدہ علی نگر کی مسجد میں پھر مسجد بوہرہ میں تعلیمات کا سلسلہ جاری رکھا ۔

آپ کے تلامذہ میں حکیم مولوی الٰہی بخش صاحبزادۂ مولٰنا حکیم عبداللہ پورہ دلھن اور حکیم عبدالعلی پورہ صوفی و مولوی محمد محمود پورہ معروف تحصیل گھوسی اور منشی سہدیو رام[1] کیف مبارکپوری قابل ذکر ہیں جن میں سے اول الذکر و ثالث الذکر انتقال کر چکے اور حکیم صاحب و منشی جی کی زبانی دادائے مرحوم کے فضائل و کمال کا تذکرہ جا بجا سننے میں آتا ہے۔ مولوی حکیم عبدالعلی صاحب دن میں مبارکپور کے مدرسہ میں پڑھتے تھے اور رات میں وہی کتابیں (یوسف زلیخا سکندرنامہ وغیرہ) دادا میاں سے پڑھتے فرماتے ہیں کہ میاں صاحب کی تفہیم اس قدر موثر اور دل نشیں تھی کہ جیسے کوئی علم و حکمت کو گھول کر پلا رہا ہے اور ذوقِ سماعت آبِ حیات میں غوطے کھا رہا ہے اور ترجمہ اتنا سہل ممتنع ہوتا کہ آگے خدا کا نام ۔

علم جفر و نجوم و رمل و تکسیر دادائے مرحوم کو علم جفر و نجوم وغیرہ کی بھی خاصی معلومات تھی۔ آپ کی ایک کتاب

[1] منشی سہدیو رام کیف کا شمار مبارکپور کے سطح اول کے شاعروں میں ہوتا ہے آپ کا کلام شاملِ مجموعہ ہے ۱۲ مرتب

خلاصۃ الرمل کے نام سے دو جلدوں میں ناچیز کے پاس موجود ہے، اور آپ کا ایک رسالہ مسمیٰ بہ علم الجفر جناب محمد ادریس صاحب مبارکپوری کے یہاں دیکھنے میں آیا جس میں بہت سے سوالات درج کر کے طریقۂ استخراج بتایا گیا ہے۔ اس رسالہ کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ان علوم میں ۱۲۹۴ھ میں دسترس حاصل ہو گئی تھی۔ آپ کو نقش بھرنے میں اس قدر کمال تھا کہ بڑی سے بڑی آیتوں کا نقش بیٹھے بیٹھے بھر دیتے تھے جس سے علوم مذکورہ کے استحضار کا پتہ چلتا ہے!

علم طب

علم طب آپ کا خاندانی جوہر ہے آپ کے نسخے بہت مؤثر اور زود اثر تھے (غالباً اس کا احساس خود انھیں بھی تھا جیسا کہ تخلص سے ظاہر ہے) حکیم عبدالعلی صاحب کے یہاں آپ کے بہت سے نسخے معمول طب ہیں!

تصنیفات

آپ نے بہت سے تصنیفات یادگار چھوڑے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ بہت سی کتابیں اور تصنیفات خدمت گاروں کی نذر ہوگئیں تاہم بعض مصنفات جو ان کے دست تطاول سے سلامت ہیں تذکرے میں شامل کر رہا ہوں۔

نعت محجوب یہ مختصر سا دیوان نعتوں، غزلوں کا مجموعہ ہے۔ جو غالباً آپ کی پہلی تصنیف ہے کیونکہ زمانۂ کہولت تک آپ کا خط اچھا تھا بعد میں لرزگی ہاتھ میں آگئی لیکن اس دیوان کی بعض نعتیں دیگر رقعات پر مرقوم ہیں اور کتابت خوشخط ہے۔ یہ دیوان مولنٰا احمد حسین رسولپوری نے ترتیب دیا اور انھیں کی کتابت اور دیگر سہولتوں سے اکلیل پرنٹنگ پریس، بہرائچ میں چھپا۔

مجموعۂ ہندی یہ مجموعہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب میں ۱۲ سال کا تھا یعنی ۹ سال پہلے اس کے بعد بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن ”گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر“۔

اس مجموعے میں ٹھمری، کجری، برہا، بھجن، دادرا، چیتا، کھٹا، برہ ماسا، ہولی، سبھی صنفوں پر طبع آزمائی کی تھی۔ یہ بیاض تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل تھی۔

خلاصۃ الرمل وعلم الجفر یہ موصوف کے شعبۂ حیات کا سب سے

اہم کارنامہ ہے جس کی وجہ سے آپ زندۂ جاوید ہیں۔ صفحات اول الذکر در دو جلد اسّی و ثانی الذکر بائیس ۔

رسالہ نسخہ جات یہ رسالہ بھی چند سال پہلے نہایت مخدوش حالت میں تھا لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ اوراق منتشر ہوتے گئے صفحات تقریباً تیس تھے!

شفاء اللغات یہ لغات تصوف میں ہے جو غالباً آپ کی آخری تصنیف ہے الفاظ کی تشریح حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہے میری دانست میں یہ اُردو زبان کا پہلا شاہکار ہے جس کا سہرا دادائے مرحوم کے سر ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ موصوف کی آخری تصنیف ہے اس کا ثبوت انھیں کے ایک خط سے ملتا ہے جو اپنے ایک عزیز کے پاس لکھا ہے کہ "زندگی میں کچھ نہ کر سکا اب جب کہ موت کے منہ میں زندگی ہے سوچتا ہوں کہ ایک کام کر ڈالوں سو اسی خیال سے تصوف کے بعض الفاظ کی تشریح کر رہا ہوں" یہ لغت کریم اللغات، سکندر نامہ اور دیگر منسلک کتابوں کے حواشی پر مرقوم ہے۔

ان کے علاوہ فارسی کتب پر حاشئے موجود ہیں۔ مثلاً قصائد عرفی، قصائد ظہوری، سکندر نامہ، پنج رقعہ، قصائد بدر چاچ، چہار مقالہ، اور تلف شدہ کتابوں کا مجھے علم نہیں افسوس کہ یہ ہستی ۱۳۶۴ھ میں ہم سے جدا ہو گئی!

شعر و سخن

اب تک جو کچھ ذکر ہوا اس سے حضرت شفا کی علمی حیثیت نمایاں ہو جاتی ہے

لیکن موصوف کی استعداد یہیں تک محدود نہیں تھی بلکہ کاسۂ شعر و سخن کے بھی وہ متوالے تھے !

آپ نے زیادہ تر حضرت صوفی جان محمد ولید پوری کی متابعت میں طرزِ ہندی میں فکر کی ہے۔ برہا، بھجن، ٹھمری، چیتا، دادرا، ہولی، بارہ ماسہ، وغیرہ اصناف میں بے شمار اشعار کہے ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، اُردو میں بھی بڑی معیاری غزلیں کہی ہیں جن میں سے ایک غزل (جو تجسس بسیار کے بعد) مکمل ہاتھ آئی ہے جسے انتخاب میں شامل کر رہا ہوں، حضرت اشرفی میاں کے ارشاد پر انھیں کے دئے ہوئے مصرع پر غزل کہی اور مطلع اپنے پیر کا تبرکاً رکھا ہے اس لئے سرقہ و توارد کا الزام بیجا ہوگا۔

منشی حبیب اللہ حبیب علیہ الرحمۃ

تقریباً ایک صدی پہلے محلہ کٹرہ میں ایک عالم متصوف اور شاعر فطرت شناس پیدا ہوا جس کی رگ رگ و پے میں علوم و فنون کا خون صالح جاری و ساری تھا جسے دنیا منشی حبیب اللہ کے نام سے یاد کرتی تھی!

آپ ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے اور علم و فضل آپ کا خاندانی ورثہ تھا لیکن اس عارف باللہ نے کبھی اپنے نام و نمود کی تمنا نہ کی ۔

ایک عرصہ تک ضلع بستی میں تھانہ انچارج رہے لیکن کچھ ایسی وجہیں درپیش ہوئیں کہ اس محکمہ سے کان پر ہاتھ دھر لیا بعد ازاں ضلع اعظم گڑھ میں سشن جج کے پیش کار ہو گئے ۔

حضرت حبیب فارسی کے بڑے مشاق شاعر تھے آپ کی غزلوں پر قدسی کا رنگ غالب ہے ۔ نمونتاً دو غزلیں پیش کی جاتی ہیں ۔

غزل

دل فدائے دلبر و جاں نذر جاناں من ست — در ہوائے وصل جاناں زیستن جان من ست

تا خلقت آدم جلوہ نمود اندر دلم — دین من صورت پرستی کفر ایمان من ست

محو کرد از من خیال کفر و دین آنکس کہ گفت — ہر چہ می بینی بداں کز مظہر شان من ست

ماو تو واعظ متاع خود پرستی ہائے تست — گر شدن از خود متاع نقد عرفان من ست
نیست ما را در سفر از بے نوائیہا غمے — توشۂ عشق و طلب در راہ سامان من ست
طعنۂ محتاجگی بر بینوائیم مکن — ہر چہ ہست از روز اول زیر فرمان من ست
گر خدا خواہی حبیب از ماسوا وارستہ شو — کیں طریق حق رسی از فضل رحمان[عہ] من ست

دیگر

شعلۂ حسن تو تنہا از دل و جانم سوخت — شرر ناز و ادا دامن ایمانم سوخت
خرد و صبر و سکوں، ہوش و حواسم یک لخت — آہ در چشم زدن جلوۂ جانانم سوخت
ہستیم را شرر عشق بجاں نیست نمود — گوئیا برق جہاں خرمن سامانم سوخت
وائے بر شامت بخت من مشتاق وصال — کہ بیک شعلۂ حسنت ہمہ ارمانم سوخت
یارب اکنوں چہ کنم کآتش اعجاز بتاں — آب از دیدۂ و آہ از دل بریانم سوخت
زہد و تقویٰ کو تو اے واعظ خود بیں داری — بشد الحمد ز من جلوۂ جانانم سوخت
بندۂ پیر مغانم کہ بیک جرعۂ مے — کفر و دین من و تو از دل دیوانم سوخت

ایک رباعی[عہ۱] بھی اپنی نظیر آپ ہے

خدا وندا ز لطف خویش گویا کن زبانم را — زفیضان عنایت عنبر افشاں کن بیانم را
ز عطر افشانئے مضمون رنگین دل آویزم — معطر کن دماغ دوستان مخلصانم را

[عہ] حضرت فضل الرحمان گنج مراد آبادی ۱۲ منہ

[عہ۱] یہ موصوف ہی کا لفظ ہے جو ہم نے نقل کیا ہے ورنہ میں ایسے رباعی نہ کہہ سکوں گا ۱۲ مترجم

زمآں

مُبارک پُور کی ادبی تاریخ میں جناب قمرالزماں صاحب زمآں کا دَورہ عہدِ زرّیں کہا جاسکتا ہے۔ انھوں نے ادب کی جو خدمات کی ہیں زمانہ انھیں فراموش نہیں کرسکتا۔ یہ انھیں کا اعجاز تھا کہ اس قصبے میں شعروادب کی تنظیم قائم ہوئی اور طرح مشاعرہ پڑتے ہی کتنے فن کار پیدا ہو گئے!

یہ بڑی مشہور بات ہے کہ زمانہ اہلِ ہُنر کو چین سے نہیں رہنے دیتا۔ یہی حشر زمآں کا بھی ہوا ہمیشہ تنگ دعسیر رہے، فکرِ معاش نے انھیں ممبئی جانے پر مجبور کردیا، ابھی یہاں کے شاعروں کا پاؤں جم نہ سکا تھا کہ زماں کے ممبئی چلے جانے سے اس چمنِ ادب کی رہی سہی پونجی کساد بازاری کی نذر ہوگئی اور اہلِ ذوق حضرات کی دلچسپی پر اُوس پڑگئی، کچھ دنوں زماں ممبئی میں رہے لیکن وہاں بھی قسمت نے یاوری نہ کی نتیجۃً کار اپنے وطن مالوف کی سیدھ باندھی اور پھر اہلِ مبارکپور کی "متاعِ از دست رفتہ" انھیں میسّر آسکی۔

زمآں نے ایک عرصے تک اپنے ذوق ووجدان کی رہبری میں مشغلۂ شعروسخن جاری رکھا پھر منشی حبیب اللہ صاحب سے مشورۂ سخن لیتے رہے، لیکن منشی جی سرکاری ملازم تھے گھر پر بہت کم رہتے تھے اس لئے ایک لائق شاگرد کو کما حقہ استفادہ نہیں ہوسکتا تھا، چونکہ داؔغ کا رنگ آپ پر غالب تھا

اس لئے حضرت نوح ناروی کا انتخاب کیا اور آپ کے ہم جلیس جناب فقیر اللہ صاحب اسعد نے دو غزلیں نوح ناروی کو بھیجیں، لیکن اس کا کوئی جواب نہ آیا ۔ کا پھر منشی حبیب ہی سے مشورۂ سخن لیتے رہے ، پھر اس عظیم البرکت ہستی کے اٹھ جانے کے بعد اپنے ذوق کو خضر راہ بنایا مگر یہ احساس برابر رہا کہ منشی جی کی صحبت سے انھیں بہت فائدہ ہوا، اس کا ذکر جا بجا کیا ہے ۔

(۱) کچھ اگر ہے تو فقط ہے اثرِ فیض حبیب
ورنہ اشعار زماں کے کوئی اشعار نہیں

(۲) اُٹھ گیا جب سے مرے سر سے زماں ظلِ حبیب
شعر گوئی کا مزہ کچھ نہیں ملتا مجھ کو

(۳) زماں منظور ہے گر شعر گوئی   سبق حاصل کرو اہلِ ہنر سے

شعر گوئی زماں کی فطرت میں داخل تھی اور زبان و بیان کی قدرت نے انھیں اور بھی خوش گو بنا دیا وہ "ٹھنڈی زمیں" سے بھی بڑے گرم اشعار پیدا کر لیتے تھے ، نفسیات کا بھی بڑا گہرا مطالعہ تھا اِس لئے دامنِ صداقت ہاتھ سے جانے نہ دیا ۔ وہ الفاظ کو کھینچ تان کر مفہوم سے ہم آہنگ کرنے کے قائل نہ تھے اور یہ خصوصیت زماں کے شاعرانہ وقار کو اور نمایاں کر دیتی ہے ۔ اور جہاں نزاکتِ تخئیل، حُسنِ ادا سے ہم آہنگ ہوگئی ہے وہاں شعر ملہمانہ ہو گیا ہے ایک مطلع ہے ۔

اگر آہیں رکیں بھی تو کدھر سے   جگر چھلنی ہوا تیرِ نظر سے

---

[۱] منشی حبیب اللہ حبیب ۱۲ منہ

معشوق ستم پر ستم کئے جا رہا ہے، عاشق ضبط کر رہا ہے لیکن تا بہ کے؟ یارائے صبر نہیں رہتا، تابِ ضبط جواب دیدیتی ہے، دل سے بے اختیار آہ نکل جاتی ہے، معشوق کی تیوریاں چڑھ جاتی ہیں، چہرہ آگ بگولا ہو جاتا ہے جھنجھلا کر کہتا ہے ایسا کیوں ہوا؟ عاشق کلیجے پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈی سانس لیتا ہے اور دبے لفظوں میں عرض کرتا ہے!

اگر آہیں رکیں بھی تو کدھر سے   جگر چھلنی ہوا تیرِ نظر سے

اٹھا لے اے خدا دُنیا سے مجھ کو   گرایا آج اس بت نے نظر سے

اجتماعِ ضدین کی کتنی بلیغ مثال ہے اور روزمرّہ کا کتنا برمحل صرف ہوا ہے، لفظ "آج" سے یہ نکتہ بھی پیدا ہوا کہ معشوق کا عاشق پُرلطفِ پیہم تھا اس لئے آج کے وقوعے نے احساسِ غم کو دعائے مرگ سے ہمکنار کر دیا ۔

بے سبب ہرگز نہیں گردشِ نگاہِ مست کی

یہ اشارہ ہے کہ ہر مطلب ادا پردے میں ہو

پتلیوں کا حرکت کرنا ایک نیچرل بات ہے لیکن ایک شاعر کی نگاہ نکتہ رس یہیں سے سکوں آشنا نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے حسنِ تعلیل پر غور کر رہی ہے، بارگاہِ حُسن میں باریابی ہوگئی محبوب زیب دہ کاشانہ ہے ایک چپ ہزار چپ، نگاہیں چپ و راست گردش کر رہی ہیں، عاشق سمجھ بیٹھتا ہے کیا ہے رمز اس گردش نگاہ کا

یہ اشارہ ہے کہ ہر مطلب ادا پردے میں ہو

قاتل کی آرزو ہے میرے دل کی آرزو　　پوری کرے خدا میرے قاتل کی آرزو

اپنی آرزو پوری کرنے کے لئے آرزوئے قاتل کا اتنا حسین بہانہ بنانا زناں کا حصہ ہے "میرے قاتل کی آرزو" نے جو نیا لُطف کا پہلو دبا رکھا ہے وہ داد وتحسین سے بے نیاز ہے۔

اللہ رے تیری انجمن ناز کے مزے　　جنت میں بھی رہی تری محفل کی آرزو

قول وا قرار پہ اللہ رے شوخی تیری　　لب پر اکبار اگر ہاں ہے تو سو بار نہیں

"تیری انجمن ناز" میں کیا ہے جو جنت میں نہیں اور جس کی آرزو نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا؟ اس فلسفے کو غالب کی زبان سے سنئے

دراں پاک میخانۂ بے خروش　　چہ گنجائش شورش نائے و نوش

سیہ مستی ابر باراں کجا　　خزاں چوں نباشد بہاراں کجا

نظر بازی و ذوق دیدار کو؟　　بفردوس روزن بدیوار کو؟

نہ چشم آرزومند دلالۂ　　نہ دل تشنۂ ماہ پرکالۂ

گریزد دم بوسہ ایمنش کجا　　فریبد بہ سوگند و نیش کجا

یعنی نہ تو جنت میں تاک جھانک کا لطف میسر ہے، نہ چھیڑ چھاڑ کا مزا، نہ تو حوروں کو بوس وکنار کے وقت بدن چرانا آتا، نہ گدگدانے کے وقت بل کھانا، نہ تو قسمیں کھا کر اُڑن گھائیاں بتانا آتا نہ وعدہ کرکے چُھدّے رکھنا، اور تیری محفل میں مجھے سب سامان نشاط میسر تھے پھر تیرے در کا پلا جنّت میں کیونکر آرمیدہ ہو سکتا ہے، میرے نزدیک یہ شعر بیت الغزل ہے۔

اچھا ہے اس کے رخ سے نہ اُٹھے کبھی نقاب
یارب نہ اس کی تیغِ نظر بے نیام ہو

اس شعر کے سامعہ نواز ہوتے ہی ہمارے سامنے ملٹن اور لے ہنٹ دونوں آجاتے ہیں،

اس کے اندر سادگی بھی ہے، پُرکاری بھی۔ حُسن خیال بھی ہے، حُسن ادا بھی، سوچا کہ دیدارِ حُسن ہو جائے لیکن پھر سوچا کہ نظارۂ ماہ کیلئے کتان کی چادر مہیا کرنا پڑتی ہے اور یہاں تو وہ حُسن عالمتاب ہے جس کی روشنی کے سامنے آفتاب بھی پھیکا پڑ جاتا ہے، ابھی موسیٰ کے ہوش باختہ ہو چکے ہیں، طور کے پرخچے اڑ چکے ہیں، کون جائے گا یہ دردِ سر مول لینے۔

اچھا ہے اس کے رخ سے نہ اُٹھے کبھی نقاب

"تیغ نظر بے نیام" کتنا دلکش جملہ ہے "یارب" نے اور بھی چار چاند لگا دیئے۔

یونہی ہوتا رہے گر آپ کے جلووں کا ظہور
کیوں مرا شیشۂ دل عرشِ معلّٰی نہ بنے

ہجر کے صدمے سے عاشق کا دَم گھُٹ رہا ہے، بیقراریاں بڑھتی جارہی ہیں، محبوب کو عاشق خستہ حال پر رحم آجاتا ہے اور دیدار سے سرفراز کر دیتا ہے، عاشق کی آنکھوں میں اشک مسرت اُمنڈ پڑتے ہیں متبسمانہ کہتا ہے، بس اتنا کرم کر دیا کریں تو جان کے لالے کیوں پڑیں، مفہوم پامال سہی،

لیکن "شیشۂ دل" کو "عرشِ معلّٰی" کہنا بڑا سامعہ نواز ہے۔

اس قسم کے بہت سے اشعار زمآں کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ دیوان میں بھرے پڑے ہیں اگر وقت نے مساعدت کی تو انشاء اللہ ایک بار اور زماں کو منظرِ عام پر لانے کا فخر حاصل کروں گا!

شرر مصباحی

غزلیات

حضرت شفا

○

طفیل سرورِ عالم ہوا جہاں پیدا
زمیں زمان و مکاں اور لامکاں پیدا
انھیں کے نورِ کرامت ظہور سے ہر شئی
ہوئی ہے عالمِ امکاں میں بے گماں پیدا
خدا نے نور سے اپنا کیا ظہور ان کا
ہوا ہے نور سے ان کے یہ دو جہاں پیدا
اِدھر خدا سے ملے ہیں اُدھر خلائق سے
خواص حرفِ مشدّد کا ہے یہاں پیدا
انھیں کی ذات ستودہ صفات کی خاطر
ہے کی خدا نے شفا نعمت جناں پیدا

سنہ ۱۲۸۳ھ

حضرت شفا

کوئے جاناں میں ہوئے چاک گریباں کتنے
جان پر کھیل گئے عاشقِ بیجاں کتنے
لُٹ چکے قافلۂ عمرِ گریزاں کتنے
پھرتے ہیں خاک بسر بے سروساماں کتنے
لے چلا جب وہ اندھیرے میں پئے قتل مجھے
چمک اُٹھے ہیں ستارے سرِ مژگاں کتنے
اُنگلیاں اُٹھتی ہیں ہر سو ترے دیوانے پر
دیکھ لے ہو کے ترے ہم ہیں نمایاں کتنے
میں وہ مجنوں ہوں کہ پہنچا جو بیاباں میں کبھی
چومے تلوؤں کو میرے خارِ مغیلاں کتنے
کفر کے جلوۂ صد رنگ کا احوال نہ پوچھ
نقشِ حیرت بنے بیٹھے ہیں مسلماں کتنے

اکبر

حسرت و خواہش و امید و یقین و .....[1]

زندگانی کے لئے ہیں میری عنواں کتنے

فیضِ اشرف سے شفاؔ نے کہے اشعار ایسے
دیکھ کر رہ گئے انگشت بدنداں کتنے

۱۳۰۵ھ

---

[1] مجھ سے پڑھا نہ گیا ۱۲ شررؔ

حضرت عبدالکریم عاؔشق

○

مست ہوں بادۂ توحید کے پیمانے کا
فیض ہے ساقیٔ کونین کے میخانے کا

کھول دے گا درِ فردوس یہ کہہ کر رضواں
مست آیا مئے توحید کے پیمانے کا

آج للہ تو اے بادِ صبا وعدہ کر
خوشبوئے گیسوئے محبوب اُڑالانے کا

لے جنوں وادیٔ طیبہ میں خدارا لے چل
دل بہلتا ہے وہیں آپ کے دیوانے کا

باغِ عالم تو ہے شاداب مگر اے عاؔشق
آج جو گُل ہے کِھلا کل نہیں رہ جانے کا

حضرت عبدالکریم عاشق

دشتِ پُرخار میں ہر سُو چمن آرائی ہے
آج کیا ہے جو یہ اُلفت کی گھٹا چھائی ہے

کوئی دیوانہ بنا ہے کوئی سودائی ہے
کوئی مجنوں کی طرح وحشئ صحرائی ہے

"قُم باذنی" سے جلاتے تھے مسیحا مُردے
ٹھوکروں میں تیری اعجازِ مسیحائی ہے

کوئی ذرّہ نہیں ایسا جو چھپا ہے تم سے
نورِ خورشید سے بڑھ کر تری بینائی ہے

نام یوں کاتبِ اعمال میرا لکھ دینا
عاشقِ زار بھی اک ہند میں شیدائی ہے

حضرت حبیب

○

کس غضب کی تھی نگاہِ شوخ اس بے پیر کی
تھی ادا جس میں کسی سفاک کی شمشیر کی

یہ رسائی ہے ستمگر آہِ پُر تاثیر کی
دیکھ وہ ہلتی ہیں کڑیاں عرش کی زنجیر کی

سامنے وہ ترک شوخ ابرو کماں کیا آگیا
آگئی جانِ حزیں زد پر قضا کے تیر کی

دیکھ اے قاتل شہیدِ ناز کے خوں کا مزا
لے رہی ہے کس تمنا سے زباں شمشیر کی

اپنی ہستی ہی سے جب گزرے تو کیا پروا ہمیں
ننگ کی، ناموس کی، توہین کی، تحقیر کی

ہو جسے اللہ کے محبوب سے الفت حبیب
فکر اسے کیا عرصۂ محشر کے دار و گیر کی

استاذ الشعرا حضرت زماںؔ

○

رنج اچھا ہے ہمیں اور نہ راحت اچھی
آپ جس حال میں مل جائیں وہ حالت اچھی

دل گیا، چین گیا، صبر گیا، ہوش گیا
آپ نے مجھ پہ کی یہ چشمِ عنایت اچھی

تاک میں ہے فلکِ پیر خدا خیر کرے
نظر آتی نہیں کمبخت کی نیّت اچھی

"لن ترانی" نے سرِ طور یہ عقدہ کھولا
بڑی مشکل سے نظر آتی ہے صورت اچھی

تم جو آ جاؤ۔ یقیں ہے کہ سنبھل جائے گا
ورنہ بیمارِ الم کی نہیں حالت اچھی

شیخ کے سامنے قرآں ہے ہمارے نزدیک
مصحفِ روئے صنم کی ہے تلاوت اچھی

کرلیا سحر بیانی سے مسخر سب کو
اے زماںؔ تونے دکھائی یہ کرامت اچھی

استاذالشعراء حضرت زمآں

ہو کے مخل تصورِ خالقِ بے نیاز میں
چھیڑ رہی ہے دمبدم یادِ بُتاں نماز میں
ملتا ہے آج کچھ عجب مجھ کو مزا نماز میں
یارب ہے سر جُھکا ہوا کس کے حریم ناز میں
اس بت ادا کی چال سے نظمِ جہاں بگڑ چلا
لپٹی نہ ہوں قیامتیں اس کے خرام ناز میں
کتنی مصیبتوں میں ہوں آہ میں مبتلا نہ پوچھ
زلف میں، قد میں، چال میں، تل میں، ادا میں، ناز میں
جذبۂ شوق جلد اب سنگِ درِ صنم دکھا
سجدے بہت ہیں مضطرب میرے سر نیاز میں
واعظِ کم نصیب کیا شرح خطِ بتاں کرے
دخل نہیں غریب کو کچھ بھی خدا کے راز میں
منزلِ عشق میں ذرا رکھنا قدم کو پھونک کر
داغ لگے نہ اے زماں دامنِ پاکباز میں

حضرت زماںؔ

○

کس نظر سے بت سفّاک نے تاکا مجھ کو
دل نظر آتا ہے پہلو میں تڑپتا مجھ کو
ذلتیں اس کی تو ہوں گی نہ گوارا مجھ کو
پھیر دے پھیر دے۔ دل پھیر دے میرا مجھ کو
لے چکے آپ تو مجھ سے دلِ نازک میرا
اپنا دے دیجئے پتھر سا کلیجا مجھ کو
پیاس اے خضرِ لب ترسے بجھائی نہ گئی
تشنہ ہی یار نے رکھا لبِ دریا مجھ کو
دل فریبی تیری صورت کو خدا نے بخشی
خواہش و حسرت و امید و تمنّا مجھ کو
بے طہارت کبھی چھونے نہیں دیتی واعظ
دخترِ رز نے کیا صاحبِ تقویٰ مجھ کو
وہ مسلمان ہوں اے شیخ کہ کرتے ہیں سلام
برہمن مجھ کو، صنم مجھ کو، کلیسا مجھ کو
اُٹھ گیا جب سے زماںؔ سر سے میرے ظلِ حبیب
شعر گوئی کا مزا کچھ نہیں ملتا مجھ کو

حضرت زماںؔ

○

حیف ہے گر شیوۂ جور و جفا پردے میں ہو
خوب ہو اے بت اگر یادِ خدا پردے میں ہو

کھل نہ جائیں اہلِ محشر پر کہیں میرے عیوب
یا الٰہی پرسشِ جرم و خطا پردے میں ہو

بے حجابی میں محبت کا مزا ملتا نہیں
عشق در پردہ رہے اور دل رُبا پردے میں ہو

بے سبب ہرگز نہیں گردش نگاہِ مست کی
یہ اشارہ ہے کہ ہر مطلب ادا پردے میں ہو

نزع کا عالم نہ ہرگز ان سے دیکھا جائے گا
قبض میری روح تن سے لے قضا پردے میں ہو

سچ کہو یہ بھی کوئی پردوں میں پردہ ہے جناب
ہر نظر میں جب تمھیں تم ہو تو کیا پردے میں ہو

مار ڈالا ہے کسی کی پردہ پوشی نے مجھے
اے زماںؔ اس پردہ داری کا بُرا پردے میں ہو

حضرت زماں

○

کیوں کر جہان میں کسی عاشق کا کام ہو
بدخواہ جب کہ یوں فلکِ نیل فام ہو
ناکامیوں پہ طرفہ کہ بدنام نام ہو
اس زندگی کو دُور سے میرا سلام ہو
سبزہ ہو، صحن باغ ہو، ساقی ہو جام ہو
اے زیست ورنہ قبر کا کونا مقام ہو
میں داستانِ ہجر سُناؤں تمھیں اگر
روزِ ازل کی صبح قیامت کی شام ہو
اچھا ہے اس کے رُخ سے نہ اُٹھے کبھی نقاب
یارب نہ اس کی تیغِ نظر بے نیام ہو
زاہد ضرور طاعتِ حق فرض ہے مگر
میکش پڑھیں نماز جو ساقی امام ہو
نکلے نہ دل سے "آہ" خبردار اے زماں
برہم نہ آسمان و زمیں کا نظام ہو

حضرت خاکی

○

ہمارے دیدۂ دل سے چھپیں گے وہ کہاں کب تک
رہے گی اے فلک یوں بے اثر آہ و فغاں کب تک

نمودِ صبح ہوتی ہے زمانے سے مگر یا رب
میری تاریک شب میں ہوگا کوئی زرفشاں کب تک

بلندی ہمتِ پرواز میں اے جذبۂ دل ہو
رہے گا طائرِ لاہوت زیرِ آسماں کب تک

فنا جب ہو گیا دریا میں قطرہ - پھر کہاں قطرہ
رہے گا چشمِ حق بیں سے حقیقت بیں نہاں کب تک

پہنچکر ہائے منزل تک بھی ہوں میں دُور منزل سے
رہے گا دشت پیمائی میں میرا امتحاں کب تک

قدم رکھتے ہی بحرِ عشق میں گُم ہو گیا خاکی
نہ جانے اہلِ دل پر ہوگا کوئی مہرباں کب تک

حضرت خاکی

دَم تیری محبت کا بھر لینا تو آساں ہے
لیکن تو سما جائے جس میں وہی انساں ہے

دریائے محبت کا قطرہ مئے عرفاں ہے
اس دشت کا ہر ذرّہ اک مہرِ درخشاں ہے

ڈھونڈ اپنی ہی ہستی میں گر ان کا تو جویاں ہے
قربِ رگِ جاں ہو کر تجھ میں کوئی پنہاں ہے

اب محفلِ رنداں میں ساغر ہے نہ پیمانہ
اب جس کو جہاں دیکھو وہ بادلِ گریاں ہے

تکمیلِ محبت ہی معراج ہے عاشق کی
دیدارِ رخِ جاناں ہر درد کا درماں ہے

خاکی رخِ جاناں کا پھر کھینچ کوئی خاکہ
تنہائی میں یہ وجہِ تسکینِ دل وجاں ہے

حضرت خاکی

○

عکسِ جمالِ یار ہر شئے میں ہے اور کہیں نہیں
جس جا نہ ہو وہ جلوہ گر ایسی کوئی زمیں نہیں
تیرے سوا کسی کو میں دیکھ سکوں ؟ نہیں نہیں
میری نگاہ میں تو اب کوئی بھی شئے حسیں نہیں
دیر و حرم تو بارہا جا جا کے آزما لئے
سجدے بہت ہیں مضطرب جھکتی مگر جبیں نہیں
جادۂ عشق بھی عجب جادۂ عشق ہے کہ آہ
چلتا رہا میں عمر بھر پہنچا مگر کہیں نہیں
خاکی جھکائے سر کو تو بیٹھا ہے کس اُمید پر
خالی مکاں ہے یار سے دل میں کوئی مکیں نہیں

حضرت ناظرؔ

○

نقشِ وفا مٹا کے دلِ زار توڑیے
ہو کر خلیل کعبہ کی دیوار توڑیے

ہچکی پہ ہچکی آتی ہے صورت دکھائیے
ہر ہر نفس کا یوں نہ مرے تار توڑیے

سودا ہے اپنے سر میں جو فرہاد سے سوا
پتھر سے سر تو سر سے بھی کہسار توڑیے

اُمیدِ مغفرت بھی ہے جوشِ شباب بھی
"سو بار توبہ کیجئے سو بار توڑیے"

مثلِ کماں ہے شرم سے دیکھا جو آپ کو
ابرو سے ماہِ نَو کی نہ تلوار توڑیے

موسیٰ کو خوب شوق سے جلوے دکھائیے
لیکن نہ قلبِ طورِ گراں بار توڑیے

ناظرؔ جنوں کا ہاتھ یہ کہتا ہے بار بار
دامانِ دل کا جوش میں ہر تار توڑیے

حضرت ناظر

○

میزباں بن کے بڑھا حوصلۂ دل میرا
جب کہ مہمان ہوا ناوکِ قاتل میرا

دامنِ دل کو نہ چھو نقش ہے ان کی تصویر
"دیکھ برباد نہ ہو اے جنوں حاصل میرا"

کشتۂ ہجر ہوں ہے موت بھی مجھ سے بیزار
جینا دشوار تو مرنا بھی ہے مشکل میرا

بحرِ فرقت کی ہر اک موج نے سر پیٹ لیا
آکے ڈوبا جو سفینہ لبِ ساحل میرا

موت کا غم نہیں انجامِ اثر سے خوش ہوں
میرے احوال پہ خود رُو دیا قاتل میرا

اپنی حالت پہ مجھے چھوڑ دو اے چارہ گرو
دلِ صد چاک نہیں بخیہ کے قابل میرا

مرحبا کی دہنِ زخم سے آتی ہے صدا
ناوکِ ناز نے دل کر دیا گھائل میرا

بس بس اے کشمکشِ درد قیامت ہوگی
ٹوٹ جائے گا اگر آبلۂ دل میرا

مجھ کو دعویٰ۔ کہ سویدائے دلِ ناظرؔ ہے
آپ کہتے ہیں کہ رخسار پہ ہے تل میرا

حضرت ناظر

○

جب سے دیکھا ہے سماں زلف کے بل کھانے کا
کیف ہے دل پہ میرے سانپ کے لہرانے کا

دل سے بیزار ہوں میں موت ہے مجھ سے بیزار
راستہ جینے کا پاتا ہوں نہ مر جانے کا

کوئی مونس نہ ہو جز بیکسی و یاس جہاں
"دل بہلتا ہے وہیں آپ کے دیوانے کا"

کروٹیں فرقتِ جاناں میں بدلتا ہوں میں
کوئی کل کیا مجھے اب چین نہیں آنے کا

درد کی طرح اٹھا دل کی طرح بیٹھ گیا
عشق ہے نام کوئی دم نہ قرار آنے کا

دل کو کھو کر میں ہوں برباد کچھ ایسا ناظر
میرا سینہ ہے کہ نقشہ کسی ویرانے کا

حضرت مفتوں شبلوی

○

رخِ روشن پہ گیسو اس طرح بکھرائے جاتے ہیں
دلِ بسمل پہ گویا سانپ سے لہرائے جاتے ہیں

عدو کو ساتھ لے کر وہ عیادت کو مری آئے
مریضِ غم نئی ترکیب سے تڑپائے جاتے ہیں

شفق کے عکس کا دھوکا نہ ہو اشکِ مسلسل پر
"یہ وہ موتی ہیں خونِ دل سے جو چمکائے جاتے ہیں"

مٹا کر مجھ کو اب مٹی مری برباد کرتے ہیں
قیامت ہے قیامت پر قیامت ڈھائے جاتے ہیں

مری تربت پہ آ کر ہنس کے وہ غنچہ دہن بولا
پسِ مردن لحد پر پھول کیوں برسائے جاتے ہیں

نکل آیا وہیں پر دیکھئے گنجِ شہیداں بھی
جہاں پر فتنۂ محشر کے ساماں پائے جاتے ہیں

انھیں مہندی لگانی جب ہوئی منظور اے مفتوںؔ
کسی بیکس کے ارمانوں کے خوں کروائے جاتے ہیں

حضرت مفتوں شاہوی

○

یہ شبِ فرقت میں میری آہ نے تاثیر کی
دھجیاں اُڑ اُڑ گئیں تا صبح چرخِ پیر کی

آستانِ یار، کھنچ کر آگیا زیرِ قدم
ہائے رے تاثیر میرے نالۂ شبگیر کی

شکر ہے انجام سوزِ عشق کا اچھا ہوا
"میرے دل کی خاک چٹکی ہو گئی اکسیر کی"

یا الٰہی بڑھ نہ جائے اور ذوقِ معصیت
فکر ہے پھر اس ستمگر کو مری تعزیر کی

در حقیقت بھول وہ ہیں جو میسر ہو سکیں
تیرے بسمل مانگتے ہیں اب دعا شمشیر کی

وہ تو ٹھہرے بیوفا وعدے پہ آنے سے رہے
اے قضا تو نے بھلا آنے میں کیوں تاخیر کی

جانے سنے کیا بات در پردہ کہ اس ظالم نے آج
حضرتِ مفتوں کی بیحد عزت و توقیر کی

حضرت حسن

○

حسن کے سودے میں قلبِ بے بہا جاتا رہا
زندگی کا دل سے میرے حوصلا جاتا رہا

اپنے وعدے پر نہ آیا آج بھی وعدہ شکن
رفتہ رفتہ حسرتوں کا قافلا جاتا رہا

دل لیا اب جان بھی لے لو کرو قصّہ تمام
میں بلا سے آپ کی جاتا رہا جاتا رہا

دردِ دل کا وصل میں اظہار بھی کرتے تو کیا
ان کی صورت دیکھ کر سارا گِلا جاتا رہا

ناز ہے خوش قسمتی پر آج مجھ کو اس لئے
دل تری زلفوں میں ہو کر مبتلا جاتا رہا

کون دیکھے گا تڑپنا آہ اس بسمل کا آج
نیم جاں کرتا ہوا قاتل مرا جاتا رہا

مٹ گئے کوچہ میں ان کے آ کے ہم تو اے حسن
دل ہمارا ناز کا پالا ہوا جاتا رہا

حضرت حسنؔ

○

دل لگی دل کا لگا لینا تو زنہار نہیں
دل کا سودا کہیں بکتا سرِ بازار نہیں

دل وہ دل ہی نہیں دلبر کا جو بیمار نہیں
وہ جگر ہی نہیں جس میں کوئی آزار نہیں

گُل وہ کس کام کا جس پر نہ ہو بُلبُل شیدا
حُسن بیکار ہے جب کوئی خریدار نہیں

کس زباں پر نہیں "ربِّ ارنی" ہے جاری
"کون سی آنکھ ہے جو طالبِ دیدار نہیں"

لفظِ انکار ہی ان کو تو زباں زد ہے حسنؔ
"ہاں" بھی کہتے ہیں تو آجاتا ہے ہر بار "نہیں"

حضرت اسعد سیمابی

○

بہار کہتے ہیں جس کو یہ وہ بہار نہیں
ہوائے گلشنِ ہستی تو خوشگوار نہیں

حیات خیز ہے واللہ خلش محبت کی
جو چبھ کے دل میں نکل جائے وہ خار نہیں

رہینِ لذتِ غم مجھ کو یونہی رہنے دے
حیاتِ تازہ تو اے دوست خوشگوار نہیں

خزاں نصیب ہے ہر اک کلی گلستاں کی
بہار کا ہے فقط نام۔ یہ بہار نہیں

نویدِ امن وخوشی کیا میں دوں زمانے کو
فضائے بزمِ جہاں آج سازگار نہیں

فریب خوردۂ امید، باغباں بھی ہے
اکیلا میں ہی نہیں ہوں جسے قرار نہیں

بہارِ تازہ تو آئی چمن میں اے اسعد
مگر بہار کا مجھ کو اب اعتبار نہیں

حضرت اسعد سیمابی

○

بہار رخصت ہوئی چمن سے ہر اہلِ دل اک عذاب میں ہے
سکوں میسر نہیں کسی کو نفس نفس اضطراب میں ہے

فسردگی ہے چمن میں کیسی کلی کلی اضطراب میں ہے
اگر ہیں یہ انبساط کے دن تو زندگی کیوں عذاب میں ہے

اگر ہے جینا جہاں میں تم کو تو پہلے مرنے کا ڈھنگ سیکھو
ستم کشو! زندگی تمھاری چھپی ہوئی انقلاب میں ہے

طلوع مہرِ حیات ہوگا، چمک اُٹھے گی ہماری قسمت
جہاں کی ظلمت کا خوف کیا ہے، زمانہ کیوں اضطراب میں ہے

فضائے گلشن سے ہے یہ ظاہر، کہ آج طوفاں کوئی اُٹھے گا
یہ گلستاں کوئی گلستاں ہے حیات انساں عذاب میں ہے

جمالِ تازہ برس رہا ہے، کچھ آج ساقی کے میکدہ پر
نگاہِ ساقی یہ کہہ رہی ہے کہ زندگانی شراب میں ہے

تلاطم افزا ہے بحرِ ہستی، شکستہ ہے زندگی کی کشتی
خدا ہے حافظ، کہ ناخدا خود پھنسا ہوا اک سراب میں ہے

نہ چھیڑے ہم کو کوئی خدارا، ستائے ہم کو نہ اب زیادہ
تلاطم و جوش کا سمندر ہماری چشمِ پُر آب میں ہے

بہار ہے؟ یہ بہار کیا ہے کہ غنچہ و گُل ہیں سب فسردہ
نگاہِ اسعدؔ سے کوئی پوچھے کہ جان اس کی عذاب میں ہے
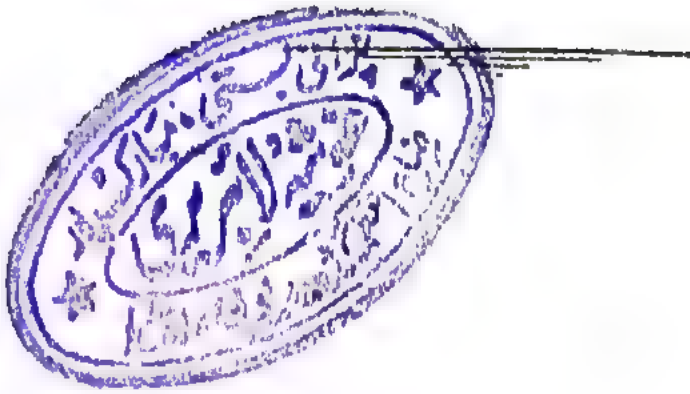
حضرت اسعد سیمابی

جہاں سے جلوۂ فطرت کی ارزانی نہیں جاتی
سحر سے پہلے تاروں کی درخشانی نہیں جاتی

محبت میری دنیا میں اگر مانی نہیں جاتی
عدو کے دل سے پھر یہ کیوں پریشانی نہیں جاتی

جنازہ اُٹھ چکا پروانۂ محفل کا دنیا سے
مگر اے شمع تیری شعلہ افشانی نہیں جاتی

یہ آنسو مختصر ہیں، کچھ حقیقت ہی نہیں ان کی
مگر قطرے یہ وہ ہیں جن کی طغیانی نہیں جاتی

قریں منزل کے ہوں میں اے امیر کارواں لیکن
دلِ غمناک کی میرے پریشانی نہیں جاتی

کھڑا ہوں سامنے آئینۂ حیراں کی صورت میں
زمیں پر چاندنی پھیلی ہے حیرانی نہیں جاتی

محبت میں یہ عالم ناتوانی کا ارے توبہ
وہ بالیں پر ہیں صورت ان کی پہچانی نہیں جاتی

وہ منکر ہے کبھی وہ بندۂ مولیٰ نہیں اسعد
زمیں تک بہرِ سجدہ جس کی پیشانی نہیں جاتی

حضرت ظفر ادیبی پروفیسر اشرفیہ کالج

○

صاف گزر گیا تھا میں حُسن کی رہگزار سے
ہائے فریب کھا گیا دیدۂ اعتبار سے
نکلے گا پیچ و خم تو کیا گیسوئے روزگار سے
حلقے کچھ اور بڑھ گئے شانۂ زرنگار سے

ڈوبی وہ کشتیٔ امید ساحلِ آرزو کے پاس
گزری تھی جو کہ بارہا قلزمِ بیقرار سے

معرکۂ حیات میں صرف جنوں ہے کامیاب
اہلِ خرد اُلجھ گئے دامنِ تار تار سے

رہنے دے تار تار ہی دامنِ اہلِ شوق کو
گزریں گے بار بار ابھی وادیٔ خارزار سے

مجھ کو وفا کی ہے اُمید، دُنیا یہ سنگدل سہی
پھوٹی ہے جوئے نرم رو سینۂ کوہسار سے

اس کو سُنائیں کیا کوئی مژدۂ سرخوشی ظفر
بڑھ نہ سکا ہنوز جو جادۂ انتظار سے

حضرت ظفر ادیبی پروفیسر اشرفیہ کالج

○

نگاہِ لطف و کرم تک یہ گریۂ غم ہے
نمودِ صبح پیامِ وداعِ شبنم ہے

وہی سوال پھر اک بار تم سے کرتا ہوں
خطا معاف کہ اب تک جواب مبہم ہے

جو سن سکو تو کہوں داستاں طویل نہیں
یہ ہے ضرور کہ یکسر فسانۂ غم ہے

برائے نام ہی باقی ہے دل کی دھڑکن بھی
حیات و موت میں اک کشمکش کا عالم ہے

کسی غریب کو بے وجہ دق نہیں کرتے
کوئی قصور بھی ہو کیوں مزاج برہم ہے

بہت دنوں سے ہے اک ربط چشمِ ساقی سے
ہزار جام بھی ٹوٹیں تو اب کسے غم ہے

یہ تھوڑی دیر سہی، مسکرا تو لیتے ہیں
چمن میں پھول کی ہر چند زندگی کم ہے

میں جانتا ہوں متاعِ بہار کیا ہے ظفر
چمن میں ہر ورقِ گل پہ اشکِ شبنم ہے

حضرت ظفرادیبی

○

رکھ دئے میکشوں نے پیمانے
اب ارادہ ہے کیا خدا جانے

جلتے بجھتے سے جگنوؤں کے چراغ
مجھ کو آئے تھے راہ دکھلانے

شمع جب تک ہے زینتِ محفل
یونہی جلتے رہیں گے پروانے

آج دیکھیں گے حسن کا پندار
ہوش میں آرہے ہیں دیوانے

اک یہی مرحلہ ہے اب دشوار
کارواں راہبر کو پہچانے

غم کا احساس ایک نعمت ہے
سامنے سے ہٹاؤ پیمانے

ہاں کرو اہتمام دار و رسن
جھومتے آرہے ہیں دیوانے

حضرت ظفر ادیبی

○

جب سے وہ چشمِ التفات نہیں
نغمہ زن بربطِ حیات نہیں
کب متاعِ چمن لُٹی مت پوچھ
ہائے دَورِ خزاں کی بات نہیں
حُسن مجبورِ بے رخی ہی سہی
عشق پابندِ التفات نہیں
کیوں نہیں اب وہ رقصِ پروانہ
شمع بجھتی ہے یا کہ رات نہیں
روز سنتے ہیں راہ رو لیکن
پھر بھی دیوانے ایک سات نہیں
اُٹھ گیا کون میکدے سے ظفر
کیوں وہ ہنگامۂ حیات نہیں

حضرت نیّر پروفیسر اشرفیہ کالج

بہارِ زندگانی جس پہ قرباں دیکھتا ہوں میں
وہ اک جلوہ ہے جو رگ رگ میں پنہاں دیکھتا ہوں میں

کبھی خنداں کبھی گریاں کبھی بسمل کبھی رقصاں
جنونِ عشق کا اپنے یہ عنواں دیکھتا ہوں میں

جبیں اتری ہوئی چہرہ فسردہ چشم گریاں ہے
تلاطم خیز موجوں میں دل و جاں دیکھتا ہوں میں

پیامِ زندگی لائی نسیمِ صبح گلشن سے
سلامت اور ابھی جیب و گریباں دیکھتا ہوں میں

مری شرحِ اَلم سُنتے ہی آنکھیں ڈبڈبا آئیں
عجب دردِ جگر میں سوزِ پنہاں دیکھتا ہوں میں

چھپائے سے بھلا چھپتا ہے رازِ عاشقی نیّر
مسلسل آنسوؤں کا ایک طوفاں دیکھتا ہوں میں

an

حضرت نیّر پروفیسر اشرفیہ کالج

○

سب خواہشیں تباہ کئے جا رہا ہوں میں
صرف ان سے رسم و راہ کئے جا رہا ہوں میں

پیہم جو آہ آہ کئے جا رہا ہوں میں
ان کے بھی دل میں راہ کئے جا رہا ہوں میں

پیتا ہوں مے ضرور! مگر چشم ناز سے
کتنا حسیں گناہ کئے جا رہا ہوں میں

ساحل سے لگ ہی جائے گی یہ کشتیٔ حیات
طوفاں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

گزرا ہے اس طرف سے کوئی کاروانِ حُسن
کیوں ہر طرف نگاہ کئے جا رہا ہوں میں

نالوں میں کب اثر ہے کہ فریاد پھر کروں
اشکوں سے ہی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

نیّر اسی کی یاد ہے بس حاصل حیات
ہر غم سے دن کی چاہ کئے جا رہا ہوں میں

علی مختار!

○

آہ کو چاہیئے کچھ سوز ابھی ساز ابھی
بے اثر ہے مری حسرت بھری آواز ابھی

رات ڈھل جائے تو نغموں میں اثر پیدا ہو
میری مجبور جوانی کو نہ دو ساز ابھی

ایک مدّت ہوئی عشرت نے پکارا تھا مجھے
گونجتی ہے مرے کانوں میں وہ آواز ابھی

پوچھتے کیا ہو مرے اشک رواں کو اے دوست
راز کی بات ہے رہنے دو اسے راز ابھی

ان کے شیشے کا تو ہر عہد میں بدلا کیا رنگ
مرے ساغر میں ہے رقصاں مئے شیراز ابھی

جیسے مختار کوئی روزنِ زنداں سے مجھے
رات کے پچھلے پہر دیتا ہے آواز ابھی

علی مختار

○

تری نظروں کا بصد شوق جو الزام نہ لے
حق تو یہ ہے کہ محبت کا وہ پیغام نہ لے

فکرِ دوراں سے ذرا دیر کو فرصت تو ملی
اب یہ ڈر ہے ترا غم بڑھ کے کہیں تھام نہ لے

زہر د اخلاص سے ملتا ہے کہ پی جاتے ہیں
گر یہ نفرت سے ملے پھر تو کوئی جام نہ لے

اے مرے خضر نہ کر آبلہ پائی کا گِلہ
اُٹھ گئے پاؤں تو آرام کا اب نام نہ لے

میں قتیلِ غمِ ایام ہوں، سودائی ہوں
اے تغافل ترے قربان مرا نام نہ لے

بے حجابانہ نہ آئے وہ لبِ بام کبھی
میری آوارہ نگاہی کا جو پیغام نہ لے

ایک آشفتہ و غم دیدہ مسافر ہوں میں
اپنے ہاتھوں سے مجھے اے گردشِ ایام نہ لے

تجھ کو **مختار** گزرنا ہے رہِ غم سے ابھی
وقت کی چھاؤں میں رُک کر کہیں آرام نہ لے

علی مختار

○

ہیں تشنہ بہ لب آج بھی رندانِ بلا نوش
شیشے سے اُبلتا ہی نہیں بادۂ سرجوش

میں اور کروں گردشِ دوراں کی شکایت؟
اس درجہ گری کب ہے میری فطرتِ پُرجوش

اُبھریں بھی اگر پیار کے نغمے تو کہاں سے
مضرابِ محبت کا ہر اک تار ہے خاموش

اب تو تیرے پہلو میں بھی آرام نہیں ہے
ڈستا ہے میرے قلب و جگر کو ترا آغوش

دیوانۂ صد چاک کو کب تو نے پکارا
احساسِ جنوں تو رہا ہر دم ہمہ تن گوش

مت پوچھئے وارفتگیٔ حسن کا عالم
رہتا ہے بھلا کس کو قیامت کی گھڑی ہوش

علی مختار

○

کب دیکھئے آتا ہے آگے مرے پیمانہ
شاید کہ ابھی غافل ہے ساقیٔ میخانہ
لہرائے تصوّر میں کتنے ہی رُخِ روشن
جب بھی قد و گیسو کا چھیڑا گیا افسانہ
مت پوچھئے ساقی کے اندازِ تغافل کو
اٹھتی ہیں نگاہیں بھی مجھ پر تو حریفانہ
آنسو فقط آنسو ہے جب تک سرِ مژگاں ہے
آجائے جو دامن پر پھر تو ہے وہ دُردانہ
دو لمحہ سہی لیکن کوئی تو سکوں دیتا
مدت سے ہیں گردش میں ہم صورتِ پیمانہ
پوچھو کبھی تم اُس سے تشنہ دہنی میری
جس کے کبھی ہونٹوں تک آیا نہ ہو پیمانہ
قسمت ہے کہ پھرتے ہیں ہم کوہ و بیاباں میں
ورنہ کبھی ہم بھی تھے زینتِ دہِ کاشانہ

محمد مبین طرب

○

چاہے جس حال میں رکھ صاحبِ عرفاں کردے
مجھ کو کافر نہیں کرتا تو مسلماں کردے

دل کے ہر ذرّے کو خورشیدِ درخشاں کردے
آج اتنا کرم اے جلوۂ جاناں کردے

عمر بھر یاد رہے گی یہ نوازش تیری
میری امّید کو شرمندۂ احساں کردے

مجرمِ عشق ہوں اقرارِ خطا کرتا ہوں
مغفرت کو میری تقدیر کا عنواں کردے

درد بخشا ہے تو اے بے خبرِ لذّتِ درد
درد کو بے خبرِ لذّتِ درماں کردے

پائے تکمیلِ محبّت کی سند تیرا طربؔ
تو ذرا اپنے تبسّم کو نمایاں کردے

محمد مبین طرب

○

جمالِ یار کو ستانہ وار دیکھ چکے
بہار! اور مکمل بہار دیکھ چکے
دفورِ دردِ شبِ انتظار دیکھ چکے
تیرا کرم نگہِ بے قرار دیکھ چکے
اسی نے نقشِ تحیّر بنا دیا ہے ہمیں
وہ حُسنِ دوست جسے بار بار دیکھ چکے
پھر اس کی چشمِ فسوں ساز پر نظر ڈالی
جب اپنا دامنِ دل تار تار دیکھ چکے
کسی کی مست نگاہوں کا فیض ہے یہ طربؔ
پھر آج مستیٔ ابرِ بہار دیکھ چکے

محمد مبین طرب

○

شریکِ غم یہاں کوئی نہیں ہے
غمِ دل مہرباں کوئی نہیں ہے

اسیرِ رنج و غم ہوں اس لئے میں
کہ میرا ہم زباں کوئی نہیں ہے

مریضِ عشق کا دَم گھُٹ رہا ہے
مسیحائے زماں کوئی نہیں ہے

اسیرِ دام ہیں شاید عنادل
چمن میں نغمہ خواں کوئی نہیں ہے

قفس کی زندگی سے مطمئن ہوں
کہ میرا گلستاں کوئی نہیں ہے

طربؔ کس سے کہوں رازِ محبّت
کہ اپنا راز داں کوئی نہیں ہے

محمد عثمان ساحر

○

آئے ہیں کس ادا سے وہ بجلیاں گرانے
خود بڑھ کے جل رہے ہیں ہر سمت آشیانے
چشمِ شباب افشاں، حُسنِ شباب رقصاں
مدہوش میکدے ہیں بیتاب جلوہ خانے
ہر لغزشِ جواں کو دامن میں چُھپکے رکھ لے
ہو باریابِ اُلفت شاید اسی بہانے
کل تک تھی مجھ کو حاجت اک سنگِ آستاں کی
اب مجھ کو ڈھونڈتے ہیں ویران آستانے
صیاد بہرِ تسکیں للہ چھوڑتا جا
اُجڑے ہوئے نشیمن بکھرے ہوئے ترانے
یہ اور بھی اُبھرتے جاتے ہیں رفتہ رفتہ
آئے تھے کیا سمجھ کر نقشِ وفا مٹانے
دامن پہ ان کے ساحر آنسو ٹپک ٹپک کر
بربادیٔ وفا کے بنتے گئے فسانے

شرر مصباحی

○

ضبطِ فغاں کے ساتھ نہ اب دردِ غم کے ساتھ
حسرت لپٹ کے سوئی ہے خوابِ عدم کے ساتھ

شاید کہ حُسن و عشق میں اک ربطِ خاص ہے
سر جُھک کے رہ گیا ترے نقشِ قدم کے ساتھ

دستورِ حُسن میں یہ طریقہ روا نہیں
کیوں پاسِ عشق ہو انھیں مشقِ ستم کے ساتھ

تیری نوازشوں نے تو رسوا ہی کر دیا
کرنا تھا کچھ ستم بھی نگاہِ کرم کے ساتھ

اے چشمِ خوں چکاں تری ہمت کو کیا ہوا
دو گام بھی نہ چل سکی ضبطِ الم کے ساتھ؟

کتنا بلند ہے مری بادہ کشی کا ذوق
وابستگی ہوئی نہ کبھی جامِ جم کے ساتھ

ہستی جب اک فریبِ مسلسل ہے اے شررؔ
کیا اعتبارِ زیست نگاہِ کرم کے ساتھ

شررؔ مصباحی

○

یہ میری چشمِ تر آج میرے کام آئی
حجاب اُٹھیں آیا جب نگاہ ٹکرائی

اس آستانے پر جب سے کی جبیں سائی
فلک کی رفعت میں نے گری ہوئی پائی

مجھے مری وحشت آج یہ کہاں لائی
نگاہ وحشی ہے اور ہجومِ تنہائی

سرشکِ غم آنکھوں میں اُمنڈ کے آپہنچے
یہ اتنی زحمت کیوں آپ نے ہے فرمائی

غلط! کہ ہوتا ہے اندمالِ غم اِس سے
حدیثِ بیتابی ہم نے بھی ہے دُہرائی

ابھی جہاں سے امیدِ خیر ہو کیوں کر
ابھی تو یہ دُنیا ہے شکارِ خود رائی

شفاؔ کا صدقہ ہے اے شررؔ یہ سب ورنہ
یہ بحرِ مشکل اور تیری خامہ فرسائی؟

شررؔ مصباحی

○

جس طرف وہ نگہِ کیف اثر ہوتی ہے
میں تو کیا چیز ہوں دُنیا ہی اُدھر ہوتی ہے

مٹ ہی جائے گی خلش دردِ جگر کی اک روز
شام کے بعد یہ سُنتے ہیں سحر ہوتی ہے

میری ناکام تمناؤ پریشان نہ ہو
زندگی یوں بھی محبّت میں بسر ہوتی ہے

اور بڑھ جاتا ہے احساسِ محبت اس دم
ان کی جب میری تباہی پہ نظر ہوتی ہے

آگ پانی میں لگا دیں نہ ترے دیوانے
آہِ عشاق بڑی گرم اثر ہوتی ہے

شرر مصباحی

○

ایسا اک لمحۂ حیات نہیں
جس میں غمہائے کائنات نہیں

صرف دُوری ہے تیری جانِ حیات
اور کچھ تلخئ حیات نہیں

شورشِ غم پہ آگئی تھی ہنسی
ورنہ ہنسنے کی کوئی بات نہیں

آ غمِ دوست تم کو پیار کروں
زندگی کو کوئی ثبات نہیں

جانے دو کیا ہے میری مجبوری
ایسی چُپ کیا کہ ایک بات نہیں

کون کہتا ہے غم کی منت کش
شررؔ اپنی نگارشات نہیں

نذیر احمد فرازؔ

○

زلفوں کی گھنی چھاؤں میں میخوار چلے ہیں
یا سایۂ رحمت میں گنہگار چلے ہیں

کچھ دامنِ یوسف ہی پہ موقوف نہیں ہے
اکثر یہ اشارے دمِ انکار چلے ہیں

ہر نقشِ قدم پھول ہر اک راہ گلستاں
ہم ساتھ لئے پیرہنِ یار چلے ہیں

ہاں ٹوٹنے والا ہے جمودِ شبِ ہجراں
تسخیر کو اب شعلۂ رخسار چلے ہیں

آ پہنچے سفیرانِ سحر ذوقِ جنوں تک
اب اہلِ خرد بازیٔ شب ہار چلے ہیں

مانگے سے کہیں جرأت منصور ملی ہے
کچھ حوصلے والے ہی سرِ دار چلے ہیں

شاید کہ ٹھہر جائے فرازؔ ان کی بھی قیمت
ہم لے کے دل و جاں سرِ بازار چلے ہیں

نذیر احمد فراز

○
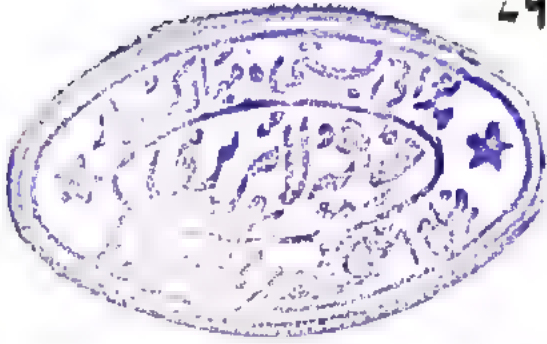
کھلتے ہیں آرزو کے کنول رات ڈھل چلی
چھیڑو کوئی حسین غزل رات ڈھل چلی

آؤ کہ آج باندھ لیں پیمانِ زندگی
ہم بھی بنالیں تاج محل رات ڈھل چلی

مدت سے انتظار تھا صہبائے آرزو
ڈھل ساغرِ نشاط میں ڈھل رات ڈھل چلی

اب دل کی دھڑکنوں کا نہ ٹوٹے یہ سلسلہ
ہاتھوں میں ہاتھ تھام کے چل رات ڈھل چلی

لب کھول دو کہ پھوٹنے والی ہے اب کرن
اے آنسوؤں کے دیپ نہ جل رات ڈھل چلی

اب کوئی دم میں رخ سے الٹنے کو ہے نقاب
اے آرزوئے دید مچل رات ڈھل چلی

ہے کارواں حیات کی راہوں پہ گامزن
اب ٹھوکروں میں ہوگی اجل رات ڈھل چلی
ہونے کو ہے فرازِ مسرت کی روشنی
اب ظلمتیں گئی ہیں پھسل رات ڈھل چلی

نذیر احمد فرازؔ

○

چھیڑی گئی جو بزم میں شعر و ادب کی بات
تھی زیبِ داستاں ترے رخسار و لب کی بات

تھی داستاں بہشت کی زاہد کے زیرِ لب
لیکن زباں پہ آگئی بنتِ عنب کی بات

رخ پر ترے نثار ہوئے جلوۂ سحر
زلفِ سیہ سے جڑ گئی تاریک شب کی بات

غیروں نے بڑھ کے دامنِ اُمید بھر لئے
ہم چھیڑتے ہی رہ گئے دستِ طلب کی بات

رکھتے ہیں ہم فرازؔ غم و درد مشترک
اپنی ہی داستاں ہے مگر ہے یہ سب کی بات

ایوبؔ

○

محفلِ حسن میں مقصد تھا نمایاں ہونا
آ گیا کام مرا بے سرو ساماں ہونا
زلف بکھراؤ! پریشانیٔ خاطر کے لئے
آئینہ دیکھو! مگر شرط ہے حیراں ہونا
متحد ہو کے اگر کوششِ آزادی ہو
تب تو آساں ہے شکستِ درِ زنداں ہونا
یہ اُجڑتی ہوئی دُنیا مرے ارمانوں کی
اور تری بزمِ مسرّت میں چراغاں ہونا
کیجئے دل میں اگر جذبۂ خلّت پیدا
"آج بھی سہل ہے آتش کا گلستاں ہونا"
سعیٔ ناکام نے ایوبؔ یہ عقدہ کھولا
کتنا مشکل ہے کسی کام کا آساں ہونا

ایوب

○

بتا اے دل ہجومِ غم میں ارمانوں پہ کیا گزری
یکایک بجھ گئی جب شمع پروانوں پہ کیا گزری

زمیں کی بھیں یہ باتیں آسماں سے پوچھ کیوں بیٹھے؟
فرشتے کیا بتائیں گے کہ انسانوں پہ کیا گزری

ذرا اپنی کرم فرمائیاں پوچھو زمانے سے
یہ اپنے کیا بتائیں گے کہ بیگانوں پہ کیا گزری

سحر کی بات ہے اس کو ستارے کیا بتائیں گے
بجھی جب شمع محفل میں تو پروانوں پہ کیا گزری

کسی کافر ادا نے مسکرا کر جب پڑھا کلمہ
حرم والے بتائیں گے کہ ایمانوں پہ کیا گزری

ایوب

○

نگاہوں میں جادو اشاروں میں جادے
انوکھے خیالات محکم ارادے
تری یاد نے رنگ آمیزیاں کیں
تصوّر کے اوراق ابتک تھے سادے

وہ دیوانگی ارتقائے خرد ہے
جو بھٹکے مسافر کو رستہ بتا دے
اُٹھیں اور چلنے کا سامان کرلیں
سحر ہو گئی کارواں کو صدا دے

اُمیدوں کی شمعوں سے روشن ہیں ابتک
خیالوں کی منزل تصوّر کے جادے
نہیں کچھ کمی تیرے دربار میں جب
میں جو مانگتا ہوں تو اس سے سوا دے

حقیقت میں ایوبؔ کہتے ہیں اس کو
ہجومِ مصائب میں جو مُسکرا دے

منشی سہدیو رام کیفؔ

○

مئے ولا ہے یہ انکار کہ نہ پینے سے
ملی ہے ساقیٔ کوثر کے آبگینے سے
بجھے گی اب تو مری تشنگی قرینے سے
گھٹائیں آئی ہیں ساغر بکف مدینے سے

اے عطر بیزیٔ خیر الامم تعالی اللہ
مہک اٹھا ہے دو عالم ترے پسینے سے

عرب کے اہلِ فصاحت بھی جس میں ڈوب گئے
بہا وہ علم کا دریا تمھارے سینے سے

میں کیوں نہ کعبۂ دل کا بھی احترام کروں
کہ منسلک ہے یہ کعبہ ترے مدینے سے

تمھارے ہجر کی ایذا رسانیاں! توبہ
کہ اب تو موت ہی بہتر ہے ایسے جینے سے

درِ شفا سے ملی دولتِ سخن مجھ کو
رکھوں نہ کیفؔ بھلا کیوں اسے قرینے سے

منشی سہدیو رام کیفؔ

○

الگ ہے سب سے اگر جادۂ بیاں میرا
قصور کیا ہے بھلا اس میں مہرباں میرا

جُدا ہے عالمِ احساس سے جہاں میرا
جہاں زمیں ہے میری نہ آسماں میرا

یقیں نہ آئے جو پروردۂ بہار ہوں میں
چمن سے پوچھ لو اب تک ہے مدح خواں میرا

رواں دواں جو چلا جادۂ تغزّل میں
رُکا نہ پھر کسی منزل پہ کارواں میرا

ہر ایک بزمِ تغزل میں بارہا اے دوست
لیا ہے اہلِ فصاحت نے امتحاں میرا

اگرچہ طفلِ دبستاں ہوں شعر گوئی میں
مقابلہ تو کرے کوئی نوجواں میرا

وفورِ کیف سے اے کیفؔ ضو فشاں ہو کر
ہر ایک شعر ہوا رشکِ کہکشاں میرا

منشی سہدیو رام کیفؔ

○

ان کی جو تیغِ ادا ناز سے جولاں ہو جائے
ہے یقیں مجھ کو ابھی گنجِ شہیداں ہو جائے
اے صنم تجھ سے جو آرائشِ ایماں ہو جائے
دل وہ پھر دل نہیں آئینۂ عرفاں ہو جائے
فی الحقیقت یہی انساں اگر انساں ہو جائے
پھر وہ ہر عالمِ امکاں کا سلیماں ہو جائے
گر ترے مصحفِ انوار کی تفسیر کرے
کفر کی شرح میں گم شیخ کا ایماں ہو جائے
خاص اعجازِ جنوں ہے یہ میرا اہلِ جنوں
میں قدم دشت میں رکھ دوں تو گلستاں ہو جائے
دیکھ کر رحمتِ یزداں کی کرم فرمائی
ذوقِ ایماں نہ کہیں مائلِ عصیاں ہو جائے
دیکھ مت چھیڑ مجھے 'حضرتِ حافظ کی قسم'
یہ میری طبعِ رواں پھر نہ غزل خواں ہو جائے
گو کہ اے کیفؔ ہوں میں کفر سے وابستہ مگر
یہ جبیں رکھ دوں جہاں کعبۂ ایماں ہو جائے

منشی سہدیو رام کیفؔ

○

منتظر ہوں کہ وہ آئیں تو غزل عرض کروں
زینتِ بزم بڑھائیں تو غزل عرض کروں

رخ سے آنچل کو ہٹائیں تو غزل عرض کروں
اک جھلک مجھ کو دکھائیں تو غزل عرض کروں

سرمگیں آنکھوں سے میرے قلب و جگر میں آ کر
میرے احساس پہ چھائیں تو غزل عرض کروں

اب مرے جذبۂ اظہار میں تاخیر نہیں
آپ کی دیر ہے آئیں تو غزل عرض کروں

بادۂ حسن سے اک جامِ محبت بھر کر
آپ اگر مجھ کو پلائیں تو غزل عرض کروں

نغمۂ سازِ سخن روحِ تغزّل بن کر
کیفؔ وہ دل میں سمائیں تو غزل عرض کروں

اشہد انصاری

○

ہاں پھونک دے گرمی محفل میں اب گریۂ شبنم رہنے دے
نغموں میں شرارے پیدا کر - یہ شیوۂ ماتم رہنے دے
طوفان کو رعشہ آجائے - وہ شمع فروزاں ہوتی ہے
بے سود ہے ہمدم پھونک تری، اب کوششِ پیہم رہنے دے
جاتی نہیں دل کی نادانی سمجھاتا ہے مجھ کو محشر میں
نازک ہے مزاجِ حسن بہت یہ شورشِ پیہم رہنے دے
اک ایک ستارہ ڈوب گیا اللہ رے شب کی تنہائی
اے چاند چلا جا تو بھی کہیں یہ تیرگیٔ غم رہنے دے
تاریک سہی ماحول مگر جذبات کی رَو میں بہتا جا
ہر داغِ جگر کو روشن کر تارے ہیں جو مدّھم رہنے دے
یہ اشک متاعِ الفت ہے اشہد نہ اسے یوں ضائع کر
ہے عکسِ جمالِ یار اس میں یہ دیدۂ پُرنم رہنے دے
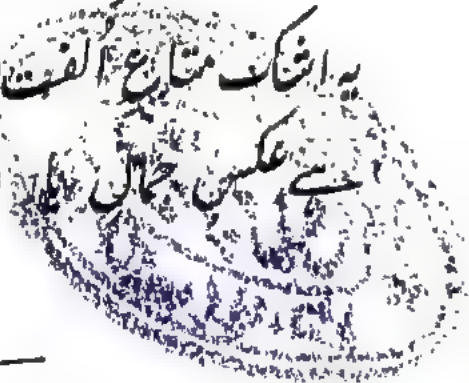
بیدؔل کرڈوی

○

وہ ملتے رہیں گے اگر رفتہ رفتہ
تو ہوتی رہے گی بسر رفتہ رفتہ

مجھے خوف ہے میری دُنیائے اُلفت
نہ ہو جائے زیر و زبر رفتہ رفتہ

مری آہِ دل رنگ لائے گی اک دن
محبت کرے گی اثر رفتہ رفتہ

ملاقات کے سلسلے جوڑتا ہے
دلِ غمزدہ رات بھر رفتہ رفتہ

نگاہوں میں بیدؔل جو ہیں انکے جلوے
تو کٹ جائے گا یہ سفر رفتہ رفتہ

حاصل انصاری

○

پریشاں زندگی اپنی گریباں تار تار اپنا
خود اپنے ہاتھوں کھو بیٹھے وقار و اعتبار اپنا

خرد نے بارہا روکا جنوں کا راستہ بڑھ کر
مگر ذوقِ جنوں بڑھتا رہا بے اختیار اپنا

پرے رکھنا گلستاں سے نظر، برقِ تپاں اپنی
ابھی ہے شاخِ گل پر آشیاں نا پائدار اپنا

تعجب دیکھ کر کرتے ہیں ساحل کے تماشائی
بھنور پر، موج پر، طوفاں پہ زور و اقتدار اپنا

اٹھاؤں کیوں کسی کا بارِ احساں انکے کہنے پر
گزرتا ہے گراں خود اپنے ہی کاندھوں پہ بار اپنا

میرا اور ذکر ہو ان کی زباں سے! یہ تعجب ہے
نہ جانے کون سی منزل پہ آپہنچا ہے پیار اپنا

حرم میں، دیر میں، گھر میں، خدا کے روبرو حاصل
میں پیتا ہوں، یہی ہے مشغلہ لیل و نہار اپنا

حاصل انصاری

○

کسی کے حُسنِ گریزاں کا ذکر چھیڑیں گے
علاجِ شورشِ پنہاں کا ذکر چھیڑیں گے

حوادثِ غمِ دوراں کا ذکر چھیڑیں گے
لطافتِ غمِ جاناں کا ذکر چھیڑیں گے

نئے نظام کی برنائیاں دمک اُٹھیں
فروغِ حُسنِ درخشاں کا ذکر چھیڑیں گے

فسانہ خلد کی حوروں کا بند کر دیں گے
وقارِ عظمتِ انساں کا ذکر چھیڑیں گے

شبِ فراق کی رونق بڑھائیں گے حاصل
ترے حسین شبستاں کا ذکر چھیڑیں گے

عبدالحیٔ بقا (مرحوم)

میری بلا سے ہم نشیں ٹوٹیں جو بجلیاں تو کیا
آگ حسد کی بجھ گئی جل گیا آشیاں تو کیا

جلوۂ صبحِ نَو سے تو راہ میں ہیں تجلّیاں
وقتِ سحر نجوم کا لُٹ گیا کارواں تو کیا

جذبۂ جستجو کبھی رنگ ضرور لائے گا
سعیٔ طلب قدم قدم آج ہے رائگاں تو کیا

خیر سے ان کی بزم میں ذکرِ وفا تو ہے مرا
صفحۂ زیست سے اگر مٹ ہی گیا نشاں تو کیا

سجدۂ دل کے واسطے دیر و حرم کی قید کیا
نقشِ قدم تو ہے ترا اک نہیں آستاں تو کیا

مثلِ حنا نکھر گیا میرے عمل کا رنگ اور
پیستی آج تک رہی گردشِ آسماں تو کیا

جلوۂ بے پناہ نے تابِ نگاہ لوٹ لی
صورتِ جلوہ گر میری نظروں سے تھی نہاں تو کیا

نظروں سے مل گیا انھیں دل کا پیام اے بقاؔ
بند حضورِ حُسن میں خوف سے تھی زباں تو کیا

عبدالحیٔ بقا
(مرحوم)

○

یہ ناحق شکوۂ برق و خزاں ہے
پئے تخریب دستِ باغباں ہے

کہاں تیرا کہاں میرا گماں ہے
ابھی فرقِ زمین و آسماں ہے

نشیمن تک ہے تیری فکر محدود
مری نظروں میں سارا گلستاں ہے

قفس میں تھے تو خوابِ حرّیت تھا
چمن میں ہیں تو فکرِ آشیاں ہے

بہارِ جاوداں کی آمد آمد
چمن والوں کا بس حُسنِ گماں ہے

یہ ارزانی غریبوں کے لہو کی
کہ پانی سی بھی شے جس سے گراں ہے

کروں میں ترک کیسے بزمِ یاراں
بقا میری یہی جائے اماں ہے

عبدالحیٔ بقا (مرحوم)

○

فقط ہے سانس پہ دار و مدار کیا کہئے
حیات کتنی ہے نا پائدار کیا کہئے

نثار ہوتا ہے نادان حُسنِ دنیا پر
سمجھ رہا ہے خزاں کو بہار کیا کہئے

میری وفا کو ہر طور آزما کر بھی
نہ آیا مجھ پہ انھیں اعتبار کیا کہئے

ڈبو دیا ہے مجھے موجۂ محبت نے
ہوں زندگی سے مگر ہمکنار کیا کہئے

لٹائی لمحہ بہ لمحہ یونہی متاعِ چمن
کھلی نہ دیدۂ غفلت شعار کیا کہئے

نگاہِ اہلِ چمن روشناس تھی لیکن
دیا خزاں نے فریبِ بہار کیا کہئے

بقاؔ ہر ایک کی بگڑی وہی بناتا ہے
ہے کارساز بڑا کردگار کیا کہئے

شکیل انصاری مفتونوی

○

سُنانے اپنے درد و غم کے افسانے کہاں جاتے
نہ ہوتے تم رفیقِ غم تو پھر جانے کہاں جاتے

تری محفل سے اے جاں اُٹھ کے دیوانے کہاں جاتے
نہ جلتے شمع پر آخر تو پروانے کہاں جاتے

نگاہیں چار ہوتے ہی حقیقت کھل گئی ان پر
وگرنہ زخمِ دل ہم اپنا دکھلانے کہاں جاتے

جنونِ عشق نے کی رہبری دزناک ترے ورنہ
گزر کر دیر و کعبہ سے خدا جانے کہاں جاتے

کسی کی بے رخی سے کیوں تجھے احساسِ غم ہوگا
سبھی اپنے اگر ہوتے تو بیگانے کہاں جاتے

شکیل اس زندگی میں غم سے گر بیگانگی ہوتی
تو میرے داغہائے دل کے افسانے کہاں جاتے

شکیل انصاری مفتونوی

○

صبا یہ کس لئے محفل سجائی جاتی ہے
وہ بات کیا ہے جو مجھ سے چھپائی جاتی ہے

ترا کرم ہے کہ میرا نصیب ہے ساقی.
" میں پی چکا ہوں مگر پھر پلائی جاتی ہے

زہے نصیب کہ اس میکدہ میں داخل ہوں
جہاں جہان کی بگڑی بنائی جاتی ہے

یہاں پہ اہلِ جہاں سب جگر کو تھامے ہیں
بلا سے طور پہ بجلی گرائی جاتی ہے

شکیل داغِ محبت سے دل جو روشن ہے
ضیائے یار کی تنویر پائی جاتی ہے

شکیلؔ مفتونوی

○

چشمِ پرفن نے وہ تیر مارا
جس سے دل ہو گیا پارا پارا

پھنس گئے اور ہم ہو کے آزاد
اس سے بہتر قفس تھا ہمارا

نخلِ ہستی ترا جل نہ جائے
دل سے اٹھتا ہے میرے شرارا

بیوفائی کا اس کو گلہ ہے
اپنے ہاتھوں سے جس کو سنوارا

اشکِ خوں جانے کیا رنگ لائے
ضبط کر اے شکیلؔ اب خدا را

ولی ایوبی

○

دل مرا محوِ فغاں کل بھی رہا آج بھی ہے
سرد آہوں میں دھواں کل بھی رہا آج بھی ہے

اشک آنکھوں سے رواں کل بھی رہا آج بھی ہے
دل میں اک درد نہاں کل بھی رہا آج بھی ہے

تشنہ لب کون رہا بزم میں یہ کس کو خبر
خواب و مستی میں جہاں کل بھی رہا آج بھی ہے

شاد و مسرور تو ہیں صحنِ چمن میں لیکن
خطرۂ برقِ تپاں کل بھی رہا آج بھی ہے

دشتِ پرخار میں بھی عزمِ مصمم کی قسم
حوصلہ اپنا جواں کل بھی رہا آج بھی ہے

کتنا بے نور ہے اُف میرا جہانِ شب و روز
اک دھندلا سا نشاں کل بھی رہا آج بھی ہے

بزمِ ماتم کو بناتا ہے ولی بزمِ طرب
یہ مرا حسنِ گماں کل بھی رہا آج بھی ہے

ولی ایوبی

○

دہر میں رہ کے جہاں کی آزمائش ہوگئی
مہرباں نا مہرباں کی آزمائش ہوگئی

ساتھ اہلِ کارواں کے مجھ کو راہِ شوق میں
لُٹ کے میرِ کارواں کی آزمائش ہوگئی

جل گیا برقِ تپاں سے آشیاں میرا تو کیا
ظلم پرور آسماں کی آزمائش ہوگئی

دیکھ کر آتی تھی پہلے دل فگاروں پہ ہنسی
آج خود دردِ نہاں کی آزمائش ہوگئی

آئے تھے ہم اے ولی رنگِ تغزل دیکھنے
بزم میں اہلِ زباں کی آزمائش ہوگئی

ولی ایوبی

○

سلام آرہا ہے پیام آرہا ہے
سلامت مرا عشق کام آرہا ہے
نہاں تھا جو رحمت کی چلمن میں ابتک
وہی عشق بالائے بام آرہا ہے
مٹانے کو دنیا سے ہر نقشِ باطل
کوئی لے کے حق کا نظام آرہا ہے
قدم بوس عرشِ بریں ہو رہا ہے
یہ کون آج نازک خرام آرہا ہے
جھکی جا رہی ہے جبینِ دو عالم
یہ کس کا مرے لب پہ نام آرہا ہے
بجھانے کوئی حشر میں تشنگی کو
لئے آبِ کوثر کا جام آرہا ہے
بصد شوق اٹھنے لگی ہیں نگاہیں
ولی شاعرِ خوش کلام آرہا ہے

غلام حسین اثر

○

ہوائے زلف کو بادِ جناں کہنا ہی پڑتا ہے
ترے حُسنِ نظر کو زر فشاں کہنا ہی پڑتا ہے

سمجھ لیتے ہیں وہ حالات دل چہرے کی رنگت سے
نگاہِ حُسن کو بھی غیب داں کہنا ہی پڑتا ہے

چمن کے لالہ زاروں کو فسردہ دیکھ کر بولے
گلوں کی فصل کو دَورِ خزاں کہنا ہی پڑتا ہے

وہ کہہ جاتے ہیں ساری داستانِ غم نگاہوں سے
خموشی کو محبت کی زباں کہنا ہی پڑتا ہے

عجب جوشِ جنوں کرتی ہے پیدا رندمیں ساقی
تری صہبا کو خونِ عاشقاں کہنا ہی پڑتا ہے

بہت دیکھا ہے میں نے آشیاں جلتے نگاہوں سے
نظر کو بھی اثرؔ برق تپاں کہنا ہی پڑتا ہے

نذیر انصاری

تم ذرا زیرِ لب مسکراؤ
خرمنِ دل پہ بجلی گراؤ
تم مرے پاس آؤ نہ آؤ
وجہِ بیگانگی تو بتاؤ
پھیر لیں کیوں جفا کر کے آنکھیں
کچھ وفا بھی مری آزماؤ
حاصلِ عشق ہے نامرادی
آنسوؤ خیر اپنی مناؤ
عشق تو نام ہے غم رسی کا
سازِ غم پر کوئی گیت گاؤ
جو کبھی مایۂ زندگی تھا
اے نذیر اب اسے بھول جاؤ

فضلؔ

○

قلب و جگر کے داغ سجائے کبھی کبھی
پلکوں پہ بھی چراغ جلائے کبھی کبھی

منزل کی جستجو میں بڑھاتے رہے قدم
راہوں میں اپنی خار بھی آئے کبھی کبھی

محفل میں جن کی ۔ عمر ہماری گزر گئی
وہ بھی غریب خانہ پر آئے کبھی کبھی

تمئیز خویش و غیر خرابات میں کہاں
کہدو یہ محتسب سے کہ آئے کبھی کبھی

اے فضلؔ تھا کمال خودی کا جسے غرور
دستِ طلب اسی نے بڑھائے کبھی کبھی

﹋﹋

فضلؔ

جن کو ہے نسبت گیسوئے خم سے
ڈرتے نہیں وہ شامِ الم سے
صحرا صحرا، محفل محفل،
حُسن کا شہرہ عشق کے دم سے
زندہ رہنا ہے گر تجھکو
جوڑ لے رشتہ گیسوئے خم سے
ہستی کیسی! موت ہے اس کی
گھبرایا جو بارِ اَلَم سے
فضلؔ کے لب پر یوں تو ہنسی ہے
چوُر ہے لیکن شدّتِ غم سے

ظہیر

جمالِ یار کا قصّہ ذرا سُناتے چلو
اندھیرے دل میں دیا اک نیا جُلاتے چلو
تمھارے مست کی دیوانگی نہ کم ہوجائے
نظر سے اپنی مئے ارغواں پلاتے چلو
بلا سے ظلم وستم تم پہ ڈھائے جائیں وہ
تمھارا کام ہے تم دوستی نبھاتے چلو
دل و جگر میں جو بھر دے سُرورِ کیف بہار
وہ گیت پیار کا ، اُلفت کا گنگناتے چلو
ظہیر ان کی نگاہِ کرم مچل اُٹھے
جو دستِ شوق عقیدت سے تم بڑھاتے چلو

ظہیر

○

راہ ہے پُرخطر گھُپ اندھیرا ابھی ہے آسماں پر کوئی بھی ستارا نہیں
کیسے جاؤں گا منزل بڑی دُور ہے کوئی رہبر کوئی بھی سہارا نہیں

اس چمن زارِ نو کو سجانے میں ہم اہلِ گلشن کے شانہ بہ شانہ رہے
ہم بھی حقدار ہیں اس طرح جیسے وہ کون کہتا ہے اب یہ ہمارا نہیں

تشنگی سے ہمارا بُرا حال ہے بارہا ہم نے دی ہیں صدائیں تمہیں
ہاتھ میں جام لے کر کے بیٹھے ہو یوں جیسے ہم نے ابھی تک پکارا نہیں

گلستانِ ارم لُٹ چکا ہے تو کیا اس کو جنت نشاں پھر بنائیں گے ہم
عزمِ محکم لئے اُٹھ ہی جائیں گے سب کس کو اپنا وطن دل سے پیارا نہیں

صحنِ گلشن میں فصلِ بہار آ گئی چند کلیاں ہنسیں اور مرجھا گئیں
کس طرح چُپ رہوں اور دیکھا کروں مجھ کو توہینِ گلشن گوارا نہیں

—o—

باردی

○

یادِ صنم کیا پوچھ رہے ہو
شدّتِ غم کیا پوچھ رہے ہو

ان کی جُدائی ؟ توبہ توبہ
آنکھ ہے نم کیا پوچھ رہے ہو

زلف نے زینت حسُن کو بخشی
لام سا خم کیا پوچھ رہے ہو

دل کو دولتِ غم بخشی ہے
ان کا کرم کیا پوچھ رہے ہو

اشکِ ندامت بہتے بہتے
ہوگیا یم کیا پوچھ رہے ہو

تیری خوشی بس اپنی خوشی ہے
ڈھاؤ ستم کیا پوچھ رہے ہو

عشق میں تیرے ہم نے چھوڑا
دیر و حرم کیا پوچھ رہے ہو

حالتِ قلبِ باریؔ آخر
کر دی رقم کیا پوچھ رہے ہو

باآری

○

تیرے کاشانے کے آگے میرا دوگانہ رہے
تیرے در پر سر بسجدہ تیرا دیوانہ رہے
پھر سے رندوں میں پلٹ آئے شبابِ زندگی
یونہی گردش میں ترا ساقی جو پیمانہ رہے
چھوڑ کر ہنگامۂ ہستی کو اے دل چل جہاں
میں رہوں، ساقی رہے، اور بزم رندانہ رہے
ناصحا! پند و نصیحت کی نہیں ہے یہ گھڑی
چاندنی شب میں فقط اک ذکرِ میخانہ رہے
کیف آگیں چشمِ جاناں اُٹھ گئی جس کی طرف
وہ زمانے بھر سے باآری کیوں نہ بیگانہ رہے

باری

کسی نے جلوۂ رنگیں کیا جب آشکارا اپنا
نچھاور کر دیا ہے ہم نے بھی صبر و قرار اپنا

فقط اتنی سی ہے روداد آغازِ محبّت کی
نگاہوں کے تصادم سے ہوا سینہ فگار اپنا

خبر بھی اب مجھے جیب و گریباں کی نہیں ملتی
نہ جانے کون سی منزل پہ آ پہنچا ہے پیار اپنا

ملا ہے راہِ الفت میں کہیں جو نقشِ پا تیرا
وہیں بڑھ کر جھکائے ہم سرِ دیوانہ وار اپنا

کہاں باری کہاں یہ محفلِ شعر و ادب لیکن
یہ سنتے ہیں کہ اہلِ فن میں ہوتا ہے شمار اپنا

ارشاد احمد جوہر

○

میرے چہرے سے غم جو نمایاں نہیں
یہ نہ سمجھو کہ اب میں پریشاں نہیں

ہیں ضیا بار جو میرے دامن پہ یہ
میرے آنسو ہیں تارے درخشاں نہیں

آپ میری عیادت کو آئے تو کیا
آپ کا فرض تھا مجھ پہ احساں نہیں

میرا سر۔ اور جھکے پیش اہلِ دول؟
مجھ کو منظور توہینِ انساں نہیں

رہ کے زنداں میں بھی لب پہ جوہر مرے
شکوۂ سختیٔ قیدِ زنداں نہیں

قطعات
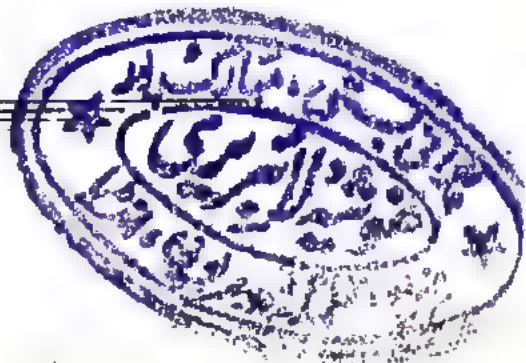
قطعہ

یہ دُنیا داستانِ غم نہیں ہے
مسرّت بھی یہاں کچھ کم نہیں ہے
مرا دل بھی بہت روتا ہے لیکن
یہ گریہ گریۂ شبنم نہیں ہے

شرر

قطعہ

شعلۂ مرگ برستا ہے لبِ فطرت سے
زیست کے پاؤں نہ جل جائیں مجھے ڈر ہے
بجلیاں ظلمت و دیجور کی لہراتی ہیں
نور کے گاؤں نہ جل جائیں مجھے یہ ڈر ہے

شرر

قطعہ

مجھ کو معلوم نہ تھا میرے تخیّل کا چراغ
تیرے دامن کی ہواؤں سے بجھے گا اک روز
کیا خبر تھی رہِ اُلفت میں سرِ دوش جمال
میری اُمّیدوں کا تابوت اُٹھے گا اک روز

شرر

قطعہ

اس معمّے کا حل نہیں ملتا
نقشِ فردا اٹل نہیں ملتا
ڈھونڈتا ہوں میں رات دن لیکن
آج ملتا ہے کل نہیں ملتا

ایوب

قطعہ

بابِ اُمّید بند ہے اے دوست
پھر بھی ہمت بلند ہے اے دوست
تجھ کو خوشیوں سے مجھ کو غم سے ہے پیار
اپنی اپنی پسند ہے اے دوست

ایوب

قطعہ

جب چاندنی راتوں میں تیری نظروں کا فسوں ہو جاتا ہے
بڑھ جاتی ہے دھڑکن دل کی مرے احساسِ جنوں ہو جاتا ہے
آنچل جو رُخِ زیبا سے ہٹا مہتاب کی کرنیں شرمائیں
اُڑتی ہیں جو زلفیں نکہت کا پندار نگوں ہو جاتا ہے